عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات

(اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے ایم۔ فل، علوم اسلامیہ

حمیرا مشتاق

ایم۔فل، علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:1514-MPhil/IS/S18

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی 2021ء

عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات

(اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے ایم۔فل،علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حمیرا مشتاق

ایم-فل،علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:1514-MPhil/IS/S18

نگران مقالہ

ڈاکٹر منزہ سلطانہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ

نمل،اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی 2021ء

حمیرا مشتاق©

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے ،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات**

Impacts of Feminist Movement on Contemporary Pakistani Family system.

نام ڈگری: ایم-فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حمیرا مشتاق

رجسٹریشن نمبر: 1514-MPhil/IS/S18

ڈاکٹر منزہ سلطانہ
(نگران مقالہ)
____
دستخط، نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ)
____
دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط، ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو۔ ریکٹر، اکیڈیمکس)
____
دستخط، پرو ریکٹر اکیڈیمکس، نمل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں حمیرا مشتاق ولد: مشتاق حسین قریشی

رول نمبر: MP-IS-S18-302 رجسٹریشن نمبر: 1514-MPhil/IS/S18

طالبہ، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر منزہ سلطانہ** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حمیرا مشتاق

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

<u>ABSTRACT</u>

My topic is as under**:**

Impacts of Feminist Movement on Contemporary Pakistani Family system.

Feminist movements globally have altered traditional patriarchal mentalities and helped women negotiate for their social and political space in a male - dominated world. In simple words what have feminist movements striven for, among other things. Equality, however beginning from a historically specific(western). Feminist theories have evolved to appreciate nuances brought about by culture and history across geographical contexts. Broadly speaking, despite the immense differences in different feminisms and critiques of western feminism for being ethnocentric and ignorant of realities of non-western women feminism has striven for agency, freedom and gender equality. Freedom and gender equality have broadly agreed upon definitions, but the word agency here means an individual's potential to act, but only under a given set of cultural, social, political and religious boundaries. Aurat(women) March within a semi-theoratic Islamic republic Pakistan. In addition to this argument, this thesis also argues for the creation of more theoretical space to understand feminism in a religious and socially conservative society since its practices, demands and outlook might be different from the western approach, but its aspirations are equally revolutionary and transformative. Eventually, this movement's practices and ideas, are a source of rich theoretical insights. This research gathered data through online semi-structured qualitative interviews with the duration of 25-30 minutes each. The interviewees talked about their affiliations with the march and how they became a part of the march how it helped them to claim their basic rights to express them themselves in a male dominated space.

Keywords: Feminism, Women Religion State, Islamic feminism, Liberal feminism, Aurat March.

صفحہ نمبر	فہرست عنوانات
ii	مقالہ کی منظوری کا فارم
iii	حلف نامہ
iv	ملخص مقالہ (Abstract)
v	فہرست عنوانات
vii	اظہار تشکر
viii	انتساب
01	مقدمہ
08	**باب اول: تحریک حقوق نسواں کا ارتقاء اور مقاصد**
09	فصل اول: تحریک حقوق نسواں کا تعارف
16	فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار
25	فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے بنیادی مقاصد
34	**باب دوم: پاکستان میں خاندانی نظام اور اسلامی جہات**
35	فصل اول: اسلام میں خاندان کا تصور اور پاکستان میں خاندانی نظام
45	فصل دوم: پاکستانی معاشرہ اور خاندان میں عورت کا کردار
54	فصل سوم: پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے مسائل
61	**باب سوم: تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات**
62	فصل اول: تحریک حقوق نسواں اور خواتین کو ملنے والے حقوق و مطالبات
70	فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے ملازمت پیشہ اور گھریلو خواتین پر اثرات
81	فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا شماریاتی جائزہ
97	**باب چہارم: تحریک حقوق نسواں اور پاکستانی خاندانی نظام کا اسلامی تناظر میں جائزہ**
98	فصل اول: قران و سنت کی روشنی میں عورت کی معاشرتی حیثیت
105	فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا اسلامی تناظر میں جائزہ
114	فصل سوم: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے معاشرتی کردار کا دائرہ کار

مقالے کا مکمل خلاصہ	128
نتائج	130
سفارشات	132
فہرست قرآنی آیات	135
فہرست احادیث	138
مصادر و مراجع	140

اظہار تشکر

الحَمدللہ رب الْعَالمین والصَّلاۃ والسَّلام علی سیدنامُحَمَّدوالہ وَصَحبہ أَجْمَعِینَ۔

امابعد!

بے پناہ حمد و ثنااس بابرکت ذات اقدس کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے جو مالک کل کائنات ہے جس کی رحمت و برکت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالی کا مجھ حقیر پر احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین کے علم کو سمجھنے کے لیے منتخب فرمایااور پھر مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اس تحقیقی مقالہ کو تحریر کرنے کے قابل ہوئی۔

میں اپنے والدین کی شکر گزار ہوں جن کی دعائیں، مدد اور تعاون ہر لمحہ میرے ساتھ رہا۔ میرے والد محترم جنہوں نے ہر کٹھن لمحے میں میرا ساتھ دیااور میری راہ کی مشکلات کو اپنے دستِ شفقت کے ذریعے سہل بنایا۔ میری والدہ جنہوں نے اس تمام دورانیے میں خصوصی تعاون کیا کہ میں وقت کا درست استعمال کر سکوں اور ان کی حوصلہ افزائی ہی کی بدولت میں آج اس مقام پر ہوں۔

میں صدر شعبہ ڈاکٹر نور حیات صاحب کی شکر گزار ہوں جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ روزافزوں ترقی کی منازل طے کر رہاہے اور جن کی شفقت اس تحقیقی مقالہ میں میرے شامل حال رہی۔ میں اپنے نگران مقالہ محترمہ ڈاکٹر منزہ سلطانہ صاحبہ کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں میری مدد کی اور ہر لمحہ میری رہنمائی کی۔ ساتھ ہی ساتھ میں اپنے تمام اساتذہ کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالے کی بہتری میں میری رہنمائی کی۔

آخر میں اپنے والد اور پوری فیملی کی مشکور ہوں جنھوں نے میرے ساتھ ہر موڑ پر مالی تعاون کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ میں زبیر بیگ کی بے انتہامشکور ہوں جنہوں نے مقالے کی کمپوزنگ میں میرے ساتھ تعاون کیااور تمام تحقیقی دورانیے میں ساتھ رہے اور میری مدد کرتے رہے۔

حمیرا مشتاق

اسکالر: ایم۔ فل علوم اسلامیہ

انتساب

میری یہ تحقیقی کاوش میرے والدین کے نام جن کی دعاؤں کی بدولت میں آج اس مقام پر پہنچی اور زبیر بیگ کے نام جن کے تعاون سے یہ مقالہ مکمل ہوا۔

وانکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم(القران)

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے جو مرد اور عورت کے درمیان رشتہ ازدواج سے وجود میں آتا ہے معاشرے کی ترقی کا انحصار جہاں خاندان پر ہوتا ہے وہاں معاشرے کی تنزلی و انتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے۔ کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اکائی ہے اور اسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں جس قدر خاندان کی اکائی مضبوط اور مستحکم ہوگی اسی قدر معاشرہ مضبوط اور مستحکم ہوگا۔ ایک خاندان کی تشکیل میں عورت کا بہت اہم کردار ہے عورت کے بغیر خاندان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور چونکہ ایک خاتون بطور بیٹی، بیوی، ماں ہر صورت ایک خاندان کا حصہ ہوتی ہے اس لیے عورت کا جو مقام اسلام میں رکھا گیا ہے وہ کسی نعمت سے کم نہیں۔

اسلام سے قبل خواتین کو بنیادی حقوق بھی میسر نہیں تھے اب بھی دیگر معاشروں میں خواتین بنیادی حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی دکھائی دیتی ہیں اسی سلسلے میں ایک تحریک وجود میں آئی جسے تحریک حقوق نسواں کے نام سے جانا جاتا ہے یہ ایک ایسی تحریک ہے جو خواتین کے حقوق کی بات کرتی ہے اور یہ تحریک مساوات مرد وزن کی قائل ہے اس تحریک کے بیانیے کے چند پہلو ایسے ہیں جس سے خواتین کو ان کے بہت سے بنیادی حقوق حاصل ہوئے جبکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مطالبات اور مقاصد میں تبدیلی آتی گئی، اور 8 مارچ کو خواتین مارچ کے موقع پر چند ایسے مطالبات سامنے آئے جو کہ اسلامی اقدار کے منافی ہیں مثلا میرا جسم میری مرضی، رشتے نہیں حقوق چاہیئے وغیرہ اس تحریک کے جہاں مثبت پہلو تھے وہیں اب اس تحریک کے بعض منفی پہلو خواتین اور خصوصا پاکستانی معاشرے اور اس کے خاندانی نظام پر اثر انداز ہو رہے ہیں، اخلاقی حدود و قیود سے آزادی کی اس تحریک کو مغربی معاشرے میں بھی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ خواتین کے حقوق کی بات کرنا تو ہمارے دین کا حصہ ہے، اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے خواتین کو ان کے حقوق دلائے اور خواتین کو معاشرے میں باعزت مقام دلایا۔ ہمارے ملک میں چند سالوں سے عورت کے نام پر ایک مارچ ہوتا ہے، حال میں ہی ہونے والے عورت آزادی مارچ کے بعد چند سوالات نے جنم لیا ہے، خاص طور پر یہ سوال کہ کیا یہ عورت مارچ واقعی ہی خواتین کے حقوق کیلئے کیا گیا تھا؟ یا پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کی ایک کوشش تھی۔

اگر بات کی جائے کہ "عورت کا استحصال ہو رہا ہے" یا یہ کہ "عورت کا استحصال نہیں ہو رہا" تو یہ دونوں باتیں مکمل طور پر درست نہیں ہوں گی۔ ہمارے ملک میں عورت بہت مضبوط بھی ہے اور بہت کمزور بھی ہے۔ اگر طاقتور عورت کی بات کی جائے تو ہمارے ملک کی فوج سے لے کر ایوانوں تک، تعلیم و تدریس سے لے کر بیورو کریسی کے طاقتور عہدوں پر عورتیں فائز ہیں جن کے ماتحت کئی سو اور ہزاروں مرد کام کرتے ہیں۔ اور اگر کمزور عورت کی

بات کی جائے تو میرے ملک کی وہ عورتیں ہیں جو مزدوری کرتی ہیں، گھریلو تشدد سہتی ہیں اور زندگی کی بنیادی سہولیات کو ترستی ہیں۔ جب کہ اسلام کے اخلاقی اقدار بہت مختلف ہیں حقوق نسواں کے نام پر اخلاقی حدود اور اسلامی اقدار سے بغاوت ایک سوچی سمجھی سازش ہے خواتین بالخصوص ناپختہ ذہن کی نو عمر لڑکیوں کو باپ، بھائی، شوہر کے رشتے سے متنفر کر کے خاندان کی بنیادی اکائی کو توڑنے اور بے حیائی اور فحاشی کے کلچر کو فروغ دینے کی تدبیر ہے لہٰذا اس وقت اس کے پاکستان کے خاندانی نظام پر پڑنے والے اثرات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ان کا تدارک کیا جاسکے۔

موضوع کی اہمیت:

اٹھارویں صدی میں حقوق نسواں کی تحریک مردوں کی مادی حقوق کے نعرے پر شروع ہوئی اور انسانی حقوق کے علمبردار مردوزن نے اس کی حمایت کی کہ واقعی خواتین کو بھی مردوں کی طرح ووٹ، تعلیم، علاج معالجے، روزگار اور سماجی تحفظ کے برابر حقوق چاہیئے آہستہ آہستہ یہ تحریک حقوق کے بجائے مردوں کے مقابلے کی تحریک میں بدل گئی۔ اخلاقی حدود و قیود سے آزادی کی اس تحریک کو مغربی معاشرے میں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تاہم اسوقت تک اس تحریک خواتین کا جس قدر استحصال اور خاندانی و سماجی روایات کا خاتمہ کر سکتی تھی کر چکی تھی چند سال قبل امریکی جرید نے ٹائم اور ٹی وی سی این این کے پول میں 65 فیصد خواتین نے حقوق نسواں کی تحریک سے علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے اس کی تباہ کاریوں پر روشنی ڈالی تھی۔

پاکستان میں یہ تحریک ہمیشہ بیرونی اثرات، فنڈنگ اور ایجنڈے کی مرہون منت رہی ہے بلاشبہ پاکستان میں خواتین کی حق تلفی ہوتی ہے ان کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا جہالت، پسماندگی، کم مواقع اور معاشی بدحالی کی وجہ سے لڑکیوں اور لڑکوں کی طرح تعلیم اور روزگار کے مساوی حقوق حاصل نہیں۔ اگر کوئی مرد عورت یا ادارہ اسپر آواز بلند کرتا ہے تو پوری قوم کی طرف سے تعریف کا مستحق ہے۔ حقوق نسواں کے نام پر اخلاقی معیار کو پست کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اسلامی اقدار سے بغاوت کی جارہی ہے خواتین بالخصوص ناپختہ ذہن کی نو عمر لڑکیوں کو باپ، بھائی، شوہر کے رشتے سے متنفر کر کے خاندان کی بنیادی اکائی کو توڑنے اور بے حیائی اور فحاشی کے کلچر کو فروغ دینے کی تدبیر کی جارہی ہے لہٰذا اس وقت اس تحریک کے ممکنہ منفی اثرات کو روکنے اور اس سے متعلق تحقیق کر کے خواتین کو اس تحریک کے پیچھے موجود مغرب کے عزائم سے آگاہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ:

اس موضوع پر جو کام پہلے ہو چکا ہے اس میں مغربی تحریک اور اس کے مضمرات کا جائزہ لیا گیا ہے لیکن ماضی قریب میں اس تحریک کے زیر اثر جو مسائل سامنے آئے اور جو فکری مسائل پیدا ہوئے اس کے حل کے لیے

کیے جانے والے اقدامات غور طلب ہیں۔زیر تحقیق مقالے میں اس کے پاکستان کے خاندانی نظام پر اثرات اور اس کے تدارک کا جائزہ پیش کیا جائے گا مزید یہ کہ اسلامی تناظر میں اس موضوع کے اہم پہلوؤں کو حل کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ خاندانوں کو اس تحریک کے مضمرات سے بچایا جاسکے اور بچوں کی تربیت قرانی اصول کی روشنی میں کی جاسکے ۔ نوجوان نسل خصوصا نوجوان لڑکیاں اور خواتین اس تحریک کے ہونے والے نتائج سے باخبر رہ کر اپنے خاندان کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں۔جس کی اس دور جدید میں اشد ضرورت ہے۔

چند مقالات، جریدے اور کالم اس موضوع سے متعلق درج ذیل ہیں جن سے استفادے کا موقع ملا۔

- اسلام کا خاندانی نظام اور عصری تہذیبی تحدیات، سمیعہ راحیل قاضی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 2009ء۔

یہ مقالہ خاندانی نظام تباہی میں کردار ادا کرنے والے اداروں اور تحریک حقوق نسواں میں این جی اوز کے کردار اور اس کے پس منظر پر مشتمل ہے۔اسی طرح اس مقالہ میں پاکستان میں موجود قوانین کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

- بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو، حافظہ عائشہ مدنی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2004ء۔

یہ مقالہ تحریک حقوق نسواں کی تعبیر نو اور اس تحریک کے مسلم ممالک میں کشمکش، حقوق نسواں کی مروجہ تعبیر نو اسلامی افکار کی روشنی میں جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس مقالے میں تحریک حقوق نسواں کے آغاز اور تحریک کے ذریعے حقوق کے حصول کی جدوجہد اور اس کے معاشرتی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اس مقالے میں اسلام پسند طبقے کے نظریات کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

- تحریک حقوق نسواں،: تاریخی و اسلامی تناظر، کوثر یاسمین، ہزارہ اسلامیکس، جنوری تا جون 2015ء۔

اس مقالے میں تحریک حقوق نسواں اور عورت کے مقام کو تاریخی حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ تاریخی اعتبار سے عورت کا کردار ہے اور اسلام خواتین کو کیا مقام دیتا ہے۔نیز تحریک حقوق نسواں کے مقاصد میں خواتین کن حقوق کا مطالبہ کر رہی ہیں اور اسلام ان کو کون کون سے حقوق فراہم کرتا ہے۔

- حقوق نسواں، تاریخی، تہذیبی و مذہبی تقابلی مطالعہ، ارشد منیر لغاری، الایضاح 25، دسمبر 2012ء۔

یہ تحقیقی مقالہ (آرٹیکل) قدیم تہذیبوں میں عورت کی حیثیت و مقام کے موضوع پر مشتمل میں نیز ان مقالے میں قدیم تہذیبوں میں خواتین سے متعلق نظریات و رسوم و رواج سے متعلق بحث بھی شامل ہے اسی طرح اس مقالے میں دور جدید اور اسلام میں عورت کی حیثیت کے موضوع کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ کس طرح اسلام عورت کو سماجی اور معاشرتی اعتبار سے کون کون سے حقوق مہیا کرتا ہے کہ جس کا مطالبہ دور جدید میں خواتین کرتی نظر آتی ہیں۔

- عالمگیریت اور مسلم خاندانی نظام، تنقیدی مطالعہ، سیرت طیبہ کی روشنی میں، ڈاکٹر محمد فاروق حیدر، القلم اپریل2017ء۔

یہ تحقیقی مقالہ عالمگیریت اور اس کے خاندانی نظام پر اثرات سے متعلق ہے کہ کس طرح عالمگیریت خاندان اور بچوں پر اثر انداز ہو رہی ہے نیز اس مقالے میں عالمگیریت میں ذرائع ابلاغ کس طرح نوجوان نسل کو متاثر کر رہا ہے اسی طرح اس تحقیق مقالے میں خاندان کے حوالے سے مغربی مفکرین کی آراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو کہ خاندان کو محض مادی ضرورت سے زیادہ کا درجہ نہیں دیتے اسی طرح سیرت رسول ﷺ کی روشنی خاندانی استحکام کو بیان کیا گیا ہے۔

- عورت کا دائرہ کار۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ، غزالہ بٹ، جون2010ء۔

اس مقالے عورت کے دائرہ کار کو موضوع بحث بنایا گیا ہے کہ اسلام نے عورت کا کیا دائرہ کار مقرر کیا ہے جس کے تحت عورت اپنی ذمہ داریاں انجام دے سکتی ہے تاکہ عورت کسی بوجھ کی متحمل نہ ہو اسی لیے اسلام نے عورت اور مرد کا دائرہ کار متعین کیا ہے اور کس طرح اسلام نے عورت کو بعض مقامات پر صنفی رعایت بھی دی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت اور مرد کا دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

- اسلام میں عورت کا دائرہ کار، شمس الدین امجد، آئین، ماہنامہ اگست، 2005۔

یہ تحقیقی مقالہ بھی عورت کے دائرہ کار کے موضوع پر مشتمل ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے اور مرد معاشی طور پر عورت کا کفیل ہے۔ اس مقالے میں بھی عورت کے مخصوص دائرہ کار کے بیان ہر مشتمل ہے۔

- پردہ، مولانا مودودی، اسلامی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، مال روڈ لاہور، نومبر 1999

یہ کتاب مولانا مودودی کی تصنیف کردہ ہے اس کتاب میں مصنف نے پردے کی اہمیت کو بیان کیا ہے نیز یہ کہ قرآن وحدیث میں عورت کے لیے پردے کے کیا احکامات موجود ہیں اور اسلام میں عورت کے لیے پردے کی کیا اہمیت ہے۔ یہ کتاب عورت کے پردے کے احکامات پر مشتمل ہے۔

- استحکام خاندان میں زوجین کا کردار سیرت طیبہ کی روشنی میں عملی و اطلاقی مطالعہ، ڈاکٹر سیدہ سعدیہ، العلم، جولائی۔ دسمبر2018ء۔

یہ تحقیق مقالہ مرد و عورت کے مابین نکاح کے ذریعے قائم ہونے والے رشتے یعنی رشتہ زوجین کی اہمیت اور ان کے خاندان کے استحکام میں کردار پر مشتمل ہے کہ کس طرح مرد و عورت ایک خاندان کو تشکیل دے سکتے ہیں اور

خاندان میں ان کا کیا بنیادی کردار ہے اسی طرح استحکام خاندان کو سیرت طیبہ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی مبارک سے سیکھ کر خاندان کے اقدار کو بچایا جاسکتا ہے۔

- اسلام کے عائلی نظام کے مقاصد،ڈاکٹر امان اللہ بھٹی، القلم، جون 2012ء۔
- این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، ثریا بتول علوی، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور۔

A lesser life "by S.A, Hewlet, William Morrow Edition, Feb 1,1986.

Feminist theory today, an introduction to 2nd wave feminism, Judith evans, SAGE Publication,1995.

Man and woaman, john Nicholson, oxford uni press,1984.

مقاصد تحقیق:

1۔ تحریک حقوق نسواں کی وضاحت اور اس کے مقاصد و مطالبات کو پیش کرنا۔

2۔ اسلام میں خواتین کے حقوق کو اجاگر کرنا۔

3۔ تحریک حقوق نسواں کا پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات کا جائزہ لینا اور اسلامی تناظر میں ان کا سد باب کرنا۔

تحقیقی سوالات:

1۔ تحریک حقوق نسواں اور مقاصد و مطالبات کیا ہیں؟

2۔ تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر ہونے والے اثرات کیا ہیں؟

3۔ تحریک حقوق نسواں کے ایجابی اور سلبی پہلو کیا ہیں؟

4۔ تحریک حقوق نسواں کے خاندانی نظام پر ہونے والے اثرات کا اسلامی تناظر میں حل کیسے ممکن ہے؟

تحدید:

راولپنڈی، اسلام آباد کی تعلیم یافتہ، گھریلو اور ملازمت پیشہ شہری خواتین کو بطور نمونہ پیش کیا جائے گا۔

اسلوب تحقیق اور طریقہ کار:

مقالہ کی تحقیق کے لئے درج ذیل اسلوب اپنائے جائیں گے۔

1۔ مقالہ ہذا میں بیانیہ اور تجزیاتی تحقیق کو اپنایا جائے گا۔

2۔ مقالہ ہذا میں تحقیق کے جدید ذرائع سے استفادہ کیا جائے گا۔ مثلاً کتب، لائبریری، انٹرنیٹ اور مقالہ جات وغیرہ۔

3۔ حوالہ جات اور حواشی کے لیے یونیورسٹی فارمیٹ کو اپنایا جائے گا۔

4۔ مقالہ کی تحقیق کے دوران مواد کے حصول کے لیے درج ذیل طریقہ کار اپنایا جائے گا۔

پہلا مرحلہ: بند سوالنامہ تیار کرنا۔(سروے 18 سے 35 سال کے ملازمت پیشہ افراد اور گھریلو خواتین سے لیا جائے گا)

دوسرا مرحلہ: مواد اکٹھا کرنا۔

تیسرا مرحلہ: مواد کا تجزیہ اور اس کی تشریح کرنا۔

چوتھا مرحلہ: رپورٹ پیش کرنا۔

پانچواں مرحلہ: غیر ساختہ انٹرویوز کرنا(جس میں پانچ مذہبی اسکالرز، پانچ یونیورسٹی اسکالرز کے انٹرویوز کیے جائیں گے)

مقالہ نگار: حمیرا مشتاق

ابواب بندی

باب اول: تحریک حقوق نسواں کا ارتقاء اور مقاصد

فصل اول: تحریک حقوق نسواں کا تعارف

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار

فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے بنیادی مقاصد

باب دوم: پاکستان میں خاندانی نظام اور اسلامی جہات

فصل اول: اسلام میں خاندان کا تصور اور پاکستان میں خاندانی نظام

فصل دوم: پاکستانی معاشرہ اور خاندان میں عورت کا کردار

فصل سوم: پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے مسائل

باب سوم: تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات

فصل اول: تحریک حقوق نسواں اور خواتین کو ملنے والے حقوق و مطالبات

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے ملازمت پیشہ اور گھریلو خواتین پر اثرات

فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا شماریاتی جائزہ

باب چہارم: تحریک حقوق نسواں اور پاکستانی خاندانی نظام کا اسلامی تناظر میں جائزہ

فصل اول: قران و سنت کی روشنی میں عورت کی معاشرتی حیثیت

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا اسلامی تناظر میں جائزہ

فصل سوم: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے معاشرتی کردار کا دائرہ کار

باب اول

تحریک حقوق نسواں کا ارتقاء اور مقاصد

فصل اول: تحریک حقوق نسواں کا تعارف

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار

فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے بنیادی مقاصد

فصل اول

تحریک حقوق نسواں کا تعارف

فصل اول:

تحریک حقوق نسواں کا تعارف

حقوقِ نسواں سے مرادوہ حقوق (rights) اور قانونی استحقاق (entitlement) ہیں جن کا مطالبہ دنیا کے بہت سے معاشروں میں خواتین اور لڑکیوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور جن کے مطالبہ نے انیسویں صدی کی حقوق نسواں تحریک (women's rights movement) اور بیسویں صدی کی تحریک نسائیت (feminist movement) کو بنیاد فراہم کی۔ دنیا کے کئی ممالک میں ان حقوق کو قانونی اور سماجی تحفظ حاصل ہے لیکن بہت سے ممالک میں ان حقوق کو غصب یا نظر انداز کیا جاتا ہے۔[1]

آزادی نسواں کی اصطلاح کا باقاعدہ استعمال:

اس اصطلاح کا باقاعدہ استعمال اٹھارویں صدی عیسوی میں ہوا جب یورپ کے فلاسفر ز اور اہل علم نے فرد کے حقوق کے لیے معاشرہ کے خلاف آواز بلند کی اور شخصی آزادی کا نعرہ لگایا اوران کے معماروں نے ظلم واستحصال پر مبنی نظام کو توڑ کر ایک نیا نظام بنانے کے لیے جدید نظریات پیش کیے جس کے نتیجے میں انقلاب فرانس رونما ہوا اور فرد کو ازادی حاصل ہوئی اور مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی معاشرتی حقوق دیئے گئے۔اس وقت یہ نعرہ مردوں کی طرف سے لگایا گیا جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت مرد بھی بنیادی حقوق سے مستفید نہیں ہو رہے تھے۔

تحریک حقوق نسواں جدید دور کی چیز نہیں،اس کی تاریخی مثالیں قدیم دور میں بھی ملتی ہیں، افلاطون کی مشہور کتاب 'Republic' میں ان خاندانی اور سماجی کرداروں کو ختم کرنے پر اصرار پایا جاتا ہے جن کی تشکیل صنفی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ قدیم یونانی کلاسیکی کامیڈی Lipsistrata میں اور حال ہی میں Henrick Ibsen کے ڈرام "A Doll's House" میں نسوانی نظریات کی ترویج کی گئی ہے۔وکٹورین ماہر معاشیات اور فلسفی جان اسٹورٹ مل (John Stuart Mill) اور جرمن سوشلسٹ فریڈرک اینگلز (Fricdrich Engles) نے جو مضامین بہ عنوان The Subjection of Women عورتوں کی غلامی) 1869ء میں لکھے تھے، انہوں نے تحریک نسواں کی بنیاد ڈالی۔[2]

---

1. San diego, *Women of Ancient Greece*, Lucent book Nardo,2000, P:28
2. Kamla Bashin & Nighat said Khan, *Some Questions on Feminism and its Relevance in south Asia*, P:2

1884ء میں اینگلز نے کھلے عام اعلان کیا کہ شادی کا بندھن غلامی کی ایک تبدیل شدہ بے کیف صورت ہے۔ اس نے اپنے مضمون میں زور دیا کہ اسے فوری ختم کیا جائے، اور بچوں کی پرورش کے لیے عوام کی ذمہ داری تجویز کی۔[1]

مغرب میں جنم لینے والی تحریک حقوق نسواں سے وابستہ خواتین کو کیا نام دیا جائے یہ وہ عورتیں ہیں جو نسوانیت کے خلاف نبرد آزما ہیں، حقوق آزادی نسواں سے وابستہ لٹریچر میں تحریک آزادی نسواں کی علمبردار خواتین نے خود کو عورت کے وجود میں سمو کر اکثر جگہ پر یہی تاثر دیا ہے کہ ان کی آواز پوری طبقہ اناث کی آواز ہے یعنی آدھی انسانیت کی، وہ جب بھی اپنے حقوق کی بات کرتی ہیں تو کہتی ہیں:

عورت سے ان کی مراد آدھی انسانیت ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مغرب و مشرق کی آدھی انسانیت ان حقوق میں دلچسپی نہیں رکھتی جو حقوق تحریک آزادی نسواں کی علمبردار عورتوں کو دلوانا چاہ رہی ہیں۔

عورت کے لیے انگریزی زبان میں woman کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا لفظی مطلب ہے آدھا مرد۔ اس طرح she بنیادی طور پر he کا ضمیمہ ہے عورت کے لیے دوسرا لفظ female ہے یہ بھی دراصل Male کے نصف کا مطلب ظاہر کرتا ہے۔[2]

Webster Dictionary میں Female کے معنی Influenced by male کے کیے گئے ہیں پھر اس لفظ کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

They are betwixt a man and child: so, few have more of the man and many have more the child; but most are but in the middle state.[3]

یعنی وہ مرد اور بچے کے درمیان ہیں کچھ تو مردوں کی خصوصیات زیادہ رکھتی ہیں بہت سی بچگانہ مزاج کی زیادہ حامل ہیں جبکہ زیادہ تر درمیانی حالت والی ہیں۔

اہل مغرب کی اس تشریح کے مطابق تو تمام عورتیں نصف مرد کے درجہ پر فائز نہیں ہیں کیونکہ ان میں بچگانہ صفات پائی جاتی ہیں مغرب میں تحریک آزادی نسوں کے حامیوں کو Feminists کہا جاتا ہے۔

---

1. Kamla Bashin & Nighat said Khan, *Some Questions on Feminism and its Relevance in south Asia*, P:2
2. Ibid, P:4
3. Merrraim websters, *websters third new international dictionary*, M.C publisher, USA,1971.

Feminismکا مطلب ہے وہ نظریات جن کے تحت عورتوں کے لیے سیاسی معاشی اور معاشرتی طور پر مردوں کے برابر حقوق مانگے گئے ہیں۔

وہ دانشور جو عام عورتوں کے مخالف تو نہیں مگر تحریک نسواں کے علمبرداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اپنے لیے Womanist کی اصطلاح پسند کرتے ہیں گویا عورت پسندی اور عورتوں میں رجولیت نازن پسندی(Feminism)دو مختلف مکاتب فکر ہیں۔ Neil Lyndonکا نام تحریک نسواں کے معروف ناقدین میں ہوتا ہے انہوں نے No more sex warاور The failure of feminism جیسی فکر انگیز کتابیں لکھی ہیں۔ تحریک نسواں کے علمبردار انہیں Anti womanیعنی عورت مخالف ہونے کا الزام دیتے ہیں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

It is perfectly illogical to say that the somebody who espouses anti feminist beliefs must be anti woman. It makes no more sense than it would to say that an anti. nazi must be anti. German or an anti. communist must be anti russian.[1]

تو یہ کہنا قطعی طور پر غیر منطقی ہے کہ جو شخص تحریک نسواں مخالف خیالات رکھتا ہے وہ لازمی طور عورت مخالف بھی ہو۔ یہ بالکل اس طرح ہو گا اگر کہا جائے ایک شخص جو نازیوں کے خلاف ہے وہ ضروری طور پر جرمن قوم کا بھی مخالف ہو یا جو کمیونسٹوں کا مخالف ہے وہ روسی قوم کے بھی خلاف ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

Feminists do make a bait of advancing the claim to represent all woman.[2]

تحریک نسواں کے علمبرداروں نے ایک عادت سی بنالی ہے کہ وہ تمام عورتوں کی نمائندگی کا دعوی کرتے ہیں۔

مغرب میں آزادی نسواں کی انتہا پسند علمبردار عورتوں کو Manly woman کہا جاتا ہے یعنی وہ عورتیں جو مردانہ اوصاف کی حامل ہیں یا جو نسوانیت سے عاری ہیں۔ ایلنر روزویلٹ Eleaner Rosewelt امریکی صدر روزویلٹ کی بیوی تھیں۔ انسانی حقوق اور حقوق نسواں کے حوالہ سے ان کی خدمات کی بے حد تعریف کی جاتی ہے۔ 1948ء میں اقوام متحدہ کی جس کمیٹی نے انسانی حقوق کے آفاقی اعلامیہ کا ڈرافٹ (مسودہ) تیار کیا تھا وہ اس کی چیئرپرسن تھیں۔

1960ء کے عشرے میں انہوں نے تحریک نسواں کی علمبردار خواتین میں انتہا پسندی اور آوارگی کا مشاہدہ کیا تو برملا اعلان کیا کہ وہ Feminist نہیں بلکہ Womanist ہیں۔[3]

---

1. Neil lyndon, *no more sex war,* published by Sinclair London Uk 1993, P:10
2. Ibid, P:11
3. S. A Hewlet, *A lesser life*, Press New York, P:91

امریکہ اوریورپ کے سنجیدہ فکر دانشور تحریک نسواں کو خاندان اقدار کی تباہی کا ذمہ قرار دے کر سخت تنقید کا نشانہ رہے ہیں۔امریکہ میں ایرا (مساوی حقوق کی ترمیم) کی تحریک کو امریکی خواتین نے مسترد کر دیا۔

ایلزروزویلٹ بھی عورتوں اور مردوں کی مطلق مساوات کی قائل نہ تھیں،وہ خاندانی اقدار پر یقین رکھتی تھی اس نے ایک دفعہ کہا:

"عورتیں مردوں سے مختلف ہیں ان کے جسمانی فرائض مختلف ہیں ،ہماری نسل کا مستقبل اس بات سے وابستہ ہے کہ عورتیں کس قدر صحت مند بچے پیدا کرتی ہیں۔[1]

مسزروزویلٹ امریکی Feminist کی مساوی حقوق کے بارے میں تکرار پر اس قدر مشتعل ہوئیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو Feminsit کہلانے سے انکار کر دیا۔[2]

(Muslim Feminist)

بیسویں صدی میں ابھرنے والی نئی اصطلاح ہے جس کے تحت مسلمان خواتین نے مساوات مردوزن کو دعوی کرتے ہوئے اسلام کی تشریحات پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے اور حقوق نسواں کی تعبیر کو اجاگر کیا ہے تاہم وہ دائرہ اسلام سے باہر جانا پسند نہیں کرتیں وہ اپنے افکار کو اسلامی کہلوانے پر اصرار کرتی ہیں۔

امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر "میں ایسی عورتوں کے لیے مترجلات کی ترکیب استعمال کی ہے یعنی وہ عورتیں جو رجل (یعنی مرد) بننے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔امین اصلاحی نے انہیں دوسرا نام متبرجات دیا ہے۔[3]

مولانا مودودی نے ایسی عورتوں کے لیے "مکشوفات اور ناعورت "کی ترکیب استعمال کی ہے۔[4]

مناسب اصلاح کا تعین:

جدید تحریک نسواں کی علمبردار 'عورتوں' کے لیے کسی مناسب اصلاح یا لفظ کی تلاش کا مسئلہ صرف ان کے مخالفین کو ہی درپیش نہیں رہا ہے۔Feminism کے نظریات کے پرچار کبھی اس الجھن کا شکار نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک انقلابی Feminist لکھتی ہیں:

There is forever in feminist thought a problem of what term to apply when speaking of say “woman”.

---

1. S. A Hewlet, *A lesser life*, Press New York, P:91
2. Ibid

3۔اصلاحی،امین احسن،پاکستانی عورت دوراہے پر،(مرکزی انجمن خدام القران لاہور،1978)،ص:4

4۔مودودی،سید ابوالاعلیٰ،پردہ،(اسلامی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ،مال روڈ لاہور،نومبر 2002)،ص:164

The use of is problematic. I know that there will be times when I say “woman “without meaning all woman”.[(1)]

تحریک نسواں کی حامی فکریں ہمیشہ سے یہ مسئلہ رہا ہے کہ آخر جب 'عورت' کا ذکر کیا جائے تو کون سی اصطلاح استعمال کی جانی چاہیئے۔ ویمن کے لفظ کا استعمال تو مسئلہ پیدا کرتا ہے میں جانتی ہوں کہ بعض اوقات میں 'ویمن' کا لفظ استعمال کرتی ہوں جبکہ اس سے میری مراد 'تمام عورتیں' ہوتی ہیں۔

گویا یہ جدید انقلابی 'عورتیں' بھی عام روایتی عورتوں کو اپنے سے مختلف گردانتی ہیں۔ تحریک نسواں کے لٹریچر میں مساوات کے ساتھ ایک اصلاح کثرت سے استعمال کی جاتی ہے وہ ہے "Androgyny" websters ڈکشنری میں اس کے معانی درج ذیل ہیں:

“Having the characteristic of both male and female in one individual.”[(2)]

یعنی "ایک فرد میں مرد اور عورت دونوں کی خصوصیات کا جمع ہونا"

مغربی اصطلاح:

Webster کی ڈکشنری کے مطابق Chimaera یونانی اصنام پرستی (Mytholog) میں ایک چڑیل عورت کو کہتے ہیں جو منہ سے آگ کے شعلے نکالتی تھی جس کا سر "شیر" کا تھا جسم "بکری" کا اور دم 'سانپ' کی تھی۔[(3)]

طبقہ حقوق نسواں سے وابستہ افراد کو انگریزی میں Feminist کہا جاتا ہے تحریک آزادی نسواں کو Feminism کا نام دیا جاتا ہے Feministic point of view سے مراد کسی بھی مسئلہ کو نسوانی تناظر میں دیکھنے کا رویہ ہے۔ تحریک آزادی نسواں سے وابستہ افراد کا یہ کہنا ہے کہ:

> "مذہب کی تشریح کرتے ہوئے نسوانی نقطہ نگاہ سے غفلت برتی گئی ہے اور عورتوں کے احساسات کا رد کیا گیا ہے مثلاً معاملہ تعدادازدواج کا ہو یا نکاح اور طلاق کے معاملات میں حقوق و فرائض کے تعین کا ہو عورتوں کی نفی پدرسرانہ رویے کی علامت ہے اور بحیثیت انسان عورت کے جذبات کی نفی پر مبنی ہے۔ مرد خود کو عورتوں سے برتر خیال کرتے ہیں"۔[(4)]

---

1. Judith evans, *Feminist theory today an introduction to 2nd wave feminism*, P:11
2. Ibid, P:29
3. *websters third new international dictionary of the English language*, P:389

4۔ عنبریں احمد، حیدرآباد کے مضافاتی علاقوں میں صنفی تربیت، بیرونی دنیا میں کھلنے والی کھڑکیاں، (مبارزہ نیوزلیٹر)، ص:5

طبقہ نسواں کے ان جارحانہ تقاضوں کو معروف میں نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جہاں عورتیں مردوں سے آزاد اپنی خودی اپنی نظر اپنا فکر اپنے لیے سوچتی ہیں اور مردوں سے مقابلے اور جارحیت کا اظہار کرتی ہیں۔

عورت کا لغوی مطلب 'چھپی ہوئی' مجسم حیا ہے۔ مغربی عورت نے پردہ اور حجاب سے بہت پہلے آزادی حاصل کرلی تھی مذکورہ تحریک کے زیر اثر شرم وحیا ذمہ داری کا دامن بھی چھوڑ دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی عورتوں کے لیے کون سا لفظ یا اصطلاح استعمال کی جائے یہ ذمہ داری تو دراصل ان بیگمات کی تھی جو مغربی فکر کے زیر اثر ہیں کہ وہ نسوانی تشخیص سے جان چھڑانے کے بعد اپنے لیے نیا نام ایجاد کریں۔ ویسے تو ان کا ذہن مختلف جدت طرازیوں اور روایتی اصلاحات کی بجائے نت نئی جدت پسندیوں کی تحقیق کرتا رہتا ہے خواتین محجوب ومستور ہونے کو اپنے لیے توہین آمیز تصور کرتی ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ عورت کے لفظ کو استحصالی معاشرے کی اصطلاح سمجھتے ہوئے کوئی نئی اصطلاح وضع کریں لگتا ہے اس معاملے میں وہ خود خاصی روایت پسند واقع ہوئی ہیں۔[1]

یہ الجھن محض لفظ عورت تک محدود نہیں بلکہ عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں میں طبقہ 'اناث' کے لیے جو لفظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب اپنے لغوی اور اصطلاحی مطالب کے اعتبار سے جدید عورتوں کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ عربی زبان میں عورت کے لیے 'النساء' اور 'المراۃ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قران مجید نے النساء کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ نسوانیت کا مادہ بھی 'النساء' سے نکلا ہے۔

فارسی میں 'زن' اور خاتون کے الفاظ ہیں۔ 'زن' عام عورتوں کے لیے 'خاتون' خاص عورتوں کے لئے جبکہ ترکی کی زبان میں 'خانم' استعمال ہوتا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے مخصوص ثقافتی پس منظر اور غایت درجہ شرم وحیا کی پاسداری کی بناء پر یہاں کے ادب میں فارسی اور عربی کے معروف الفاظ کو نہیں اُپنایا گیا بلکہ ان کے لیے اردو میں عورت کے لفظ کو نئے معنی پہنا کر اسے عام طور پر استعمال کیا گیا۔ قران مجید میں ایک جگہ عورت النساء کے الفاظ بھی ملتے ہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ النساء کے ساتھ عورت بطور اسم صفت کے استعمال کی گئی ہے۔

ہندوستانی مسلم ادب میں عورت کی تمام خوبیوں میں شرم وحیا اور ستر کے امور کو اس کی صفات کے ذکر میں اولین درجہ عطا کیا گیا ہے۔ عورت کو مزید تقدس یا عفت کا لبادہ اوڑھانے کے لیے 'مستورات' کا لفظ بھی ایجاد کیا گیا جس کا مطلب تقریباً وہی ہے یعنی وہ عورتیں جو عام نگاہوں سے چھپی رہتی ہیں اس کا الٹ ہے 'مکشوفات' یعنی وہ عورتیں جو کھلی ہوئی یا بے پردہ ہیں۔[2]

1۔ صدیقی، محمد عطااللہ، تحریک نازن ایک ناقدانی جائزہ، (نومبر 2004)، ج:36، ش:11، ص:109

2۔ مبارک علی، تاریخ اور عورت، (ارتقا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز، کراچی، فروری 2010)، ص:53

فصل دوم

تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار

فصل دوم:

تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار

حقوق نسواں ایک معاشرتی تحریک ہے جو اپنی جدوجہد کو خواتین کے مساوی حقوق کے حصول پر مرکوز کرتی ہے۔اس کی شروعات 18ویں صدی میں ہوئی فرانسیسی انقلاب،ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جنگ آزادی یا مغربی دنیا میں پائے جانے والے دیگر لبرل انقلابوں جیسی دوسری بڑی تحریکوں کے ساتھ۔فرانسیسی انقلاب اور حقوق انسانی کے عالمی اعلامیہ، حقوق نسواں کی تاریخ کے اہم واقعات ہیں،اس اعلامیے میں آزادانہ اظہار، آزادی، مساوات اور وقار کے حقوق مردوں کو نہیں بلکہ عورتوں کو دیئے گئے تھے۔اب یہاں تحریک حقوق نسواں کے مختلف ادوار کو بیان کیا جائے گا۔

پہلا دور:(1789-1870)

حقوق نسواں کی ابتداء ہوئی تھی 18ویں صدی کے آخر میں اور یہ ایک پوری صدی تک پھیلا ہوا ہے 1870 تک تقریبا اس پہلی لہر کا ہدف تھا، یہ روشن خیال حقوق نسواں کی ایک تحریک تھی قانونی اور معاشرتی تحفظ کی عدم دستیابی کی وجہ سے خواتین غیر محفوظ تھیں،لہذا، وہ لڑائی شروع کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔اس پہلی لہر سے مساوات اور خواتین کے حقوق پر بحث کھل گئی۔پہلی لہر کے کچھ انتہائی اہم مفکرین یہ ہیں:

میری والسٹن کراف, اولیمپیاڈی گاؤس,پولین ڈی بیری۔[1]

اس میں حقوق نسواں کی اس تحریک کو آزادی نسواں کی تحریک میں بدل دیا گیااس کا منشور مردوں کے برابر حقوق کی بجائے مردوں سے اظہار نفرت تک جا پہنچااس کا اندازہ اس علامی کانفرنس کے ایجنڈے سے لگایا جاسکتا ہے جو خواتین کے حقوق کی جدوجہد کے نام پر منعقد کی گئی اس میں سے چند اہم کانفرنسز درج ذیل ہیں۔

1۔میکسیکو کانفرنس:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1975ء کے سال کو عالمی خواتین کا سال قرار دیا اور 1975ء میں میکسیکو شہر میں خواتین کی عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اس کانفرنس میں 133 ممالک کے وفود نے شرکت کی جن میں 113 وفود کی سربراہان خواتین تھیں اس کانفرنس کے قیام کا مقصد عورتوں کی ترقی اور حقوق کی بحالی کی طرف عالمی دنیا کی توجہ مبذول کروانا تھا۔

1.khawar Mumtaz, *women of Pakistan, two step forward one step back*, P:75

اس کانفرنس میں خواتین کے حقوق مثلاً تعلیم، طبی سہولیات کی فراہمی، سیاست میں عورتوں کی شرکت جیسے مطالبات پیش کیے گئے۔[1]

2۔ کوپن ہیگن کانفرنس:

یہ کانفرنس کوپن ہیگن میں 1980ء میں منعقد ہوئی یہ بنیادی طور پر میکسیکو کانفرنس میں تیار کردہ عالمی لائحہ عمل کے جائزہ کیلئے منعقد کی گئی۔ جس میں تقریباً 145 ممالک کے وفود نے شرکت کی۔[2]

3۔ نیروبی کانفرنس:

یہ کانفرنس خواتین کے حقوق کیلئے منعقد کی جانے والی تیسری بڑی کانفرنس تھی جو کہ 1985ء میں نیروبی میں منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں مختلف نمبر سرکاری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے تقریباً 15000 افراد نے شرکت کی جسکا مقصد ان تنظیموں کے ذریعے خواتین کے حقوق کے فروغ کے لئے سیمینار، لیکچرز، ورکشاپس کا انعقاد کرنا تھا۔[3]

4۔ بیجنگ کانفرنس:

یہ کانفرنس 15 ستمبر 1995ء کو بیجنگ میں منعقد کی گئی اس کانفرنس میں تقریباً 30000 خواتین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں بنیادی تبدیلی یہ دیکھنے میں آئی کہ عورتوں کے مسائل سے توجہ ہٹا کر عورتوں اور مردوں میں مساوات کے نظریے پر توجہ مرکوز کی گئی نیز یہ بھی تسلیم کیا کہ معاشرے کے پورے ڈھانچے اور اس میں عورتوں اور مردوں کے تعلقات کا دوبارہ جائزہ لیا جائے کیونکہ تشکیل نو کے ذریعے ہی عورت کو مکمل اختیارات مل سکتے ہیں۔[4]

5۔ بیجنگ پلس فائیو کانفرنس:

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چین کے شہر بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اب تقریباً 5 سال بعد نیویارک میں بیجنگ + 5 کانفرنس ہو رہی ہے جو کہ 5 تا 9 جون 2000ء میں منعقد کی گئی۔

اس کانفرنس کو درج ذیل عنوان دیا گیا۔

Women 2000: Gender Equality, Development and Peace in the Twenty First Century.

1.Mexico City, *International Women, s Year, cascio Pellegrini*, 2 july 1975.P:93

2.Denmark city, *Women, s World Confrence*,30 july 1980.

3.Nairobi, *Women, s World Confrence in* 26 july 1985.

4.Beijing, *The Fourth united nation conference on women*, 15 sep 1995.

اس کانفرنس نے عورت کے حقوق کی جنگ کو مادر پدر آزادی میں بدلنے میں اہم کردار ادا کیا اس کانفرنس کی درج ذیل سفارشات منظر عام پر آئیں:

- خاتون خانہ کو گھریلو ذمہ داریوں اور تولیدی خدمات پر باقاعدہ معاوضہ دیا جائے۔
- ازدواجی عصمت دری پر قانون سازی اور فیملی کورٹس کے ذریعے مردوں کو سزا دلوائی جائے۔
- ممبر ممالک میں جنسی تعلیم پر زور دیا جائے۔
- اسقاط حمل کو عورت کا حق قرار دیا جائے۔[1]

دوسرا دور:(1870-1940)

خواتین کے عالمی حقوق کے لئے جدوجہد سے مربوط، نسوانیت کی دوسری لہر یورپ اور ریاست ہائے متحدہ میں پیدا ہوئی (1870-1940). حقوق نسواں کی یہ لہر دوسرے صنعتی انقلاب اور اس تیزی سے سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے ذریعہ چل رہی ہے جس سے مغربی دنیا گزر رہی تھی۔ حقوق نسواں کی اس دوسری لہر کا مقصد آفاقی رائے دہندگی کے عالمی حقوق کو ختم کرنا تھا کیونکہ خواتین کو اپنے حکمرانوں کا انتخاب کرنے کا حق نہیں تھا، اس طرح وہ خود کو سیاسی اور معاشرتی کمتری کی حیثیت میں رکھتے تھے۔

حقوق نسواں کی دوسری لہر نے درج ذیل مقاصد کا دعوی کیا:

- کام کی دنیا میں خواتین کو شامل کرنا پہلی جنگ عظیم کے دوران۔
- ووٹ کا حق۔
- صنفی مساوات خاندان میں اور خواتین کے ماتحت ہونے کی روک تھام۔

امریکہ میں، حقوق نسواں کی دوسری لہر اور تاریخ نسواں کا ایک سب سے اہم کارنامہ تھا (سنیکا فالس کا امریکی اعلان 1848 میں) نے کہا کہ اعلامیہ میں خواتین کو اپنے باپوں اور شوہروں سے آزادی دلانے کا دعوی کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ دباؤ تحریک کی قائم شدہ تاریخوں کو نہیں سمجھتا ہے، اس کے مقاصد کی نوعیت کی وجہ سے یہ دوسری لہر کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ خواتین کی جدوجہد میں مبتلا ایک بہت اہم قدم ہے کیونکہ اس میں تمام معاشرتی طبقات کو ایک ہی جدوجہد میں شامل کیا گیا ہے۔ 1871 میں شروع ہوکر، کچھ ممالک نے اس کمپنی کو قائم کرنا شروع کیا عالمگیر

1.Beijing, *Gender Equality, Development and Peace in Twenty First Century*,9 june 2000.

رائے ان کی حکومتوں میں، اسپین میں، پادری تحریک کے ایک عظیم نمائندے تھے کلارا کیمپوور، جس نے یونین ریپبلیکا فیمینہ تیار کیا اور اسپین میں خواتین کی کمی کو فروغ دیا۔[1]

تیسرا دور: (1950-1980)

خواتین کے خلاف تشدد، جنسی جبر اور مرد صنف کے ساتھ حقیقی مساوات کا فقدان پچھلی صدی کے وسط میں (حقیقت میں، اب بھی ہے) واضح تھا۔ 60 کی دہائی کے دوران نسوانیت کی تیسری لہر آگئی، خواتین انصاف کے سامنے برابری پر فتح حاصل کرنے لگی، یا ایسا لگتا تھا، اور انہوں نے ایسے معاشرتی نظریات تیار کرنا شروع کیے جس میں انہوں نے بے حد مطالعہ کیا، سیمون ڈی بیوویر، یا بٹی فریڈن انہوں نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے مسائل کی نشاندہی کرنا شروع کر دی جو معاشرے میں خفیہ، لطیف لیکن واضح طور پر سنجیدہ انداز میں ظاہر ہوئے، جیسے صنفی کردار اور دقیانوسی تصورات، خواتین پر جنسی ظلم، صنفی تشدد، نفسیاتی استحصال۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک سرپرست نظام کا وجود جس نے خواتین پر منظم طور پر ظلم کیا تھا، بہت سے کارکنوں نے اس کی تصدیق کی تھی۔

حقوق نسواں کی تیسری لہر نے درج ذیل مقاصد کے ساتھ جدوجہد کی۔

- حب الوطنی کا خاتمہ۔
- تعلیم میں مساوات۔
- عورت کی جنسی آزادی۔
- خواتین کے خلاف تشدد (یا صنفی تشدد) کا خاتمہ۔
- کام کی جگہ میں حقیقی مساوات۔[2]

چوتھا دور: (1980-موجودہ دور تک)

پاکستان میں حقوق نسواں کا آغاز جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب اسلامائزیشن کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے خواتین کیلئے پردہ اور چاردیواری پر زور دیا گیا، عوامی شعبہ جات میں کام کرنے والی خواتین کیلئے دوپٹہ اور چادر کو ضروری قرار دیا گیا، حدود آرڈیننس اور زنا آرڈیننس کا نفاذ کیا گیا، اسی طرح یہ تجاویز بھی پیش کی گئی کہ سیاست میں صرف بڑی عمر کی خواتین کو اجازت ہونی چاہیے، عورتوں کیلئے الگ یونیورسٹیوں کے قیام کی تجاویز بھی پیش ہوئیں یہ سب وہ معاملات تھے جن کی وجہ سے حقوق نسواں کی تنظیموں اور حکومت میں ٹھن گئی اور ایوب دور اور بھٹو دور میں حکومت اور حقوق نسواں کی تنظیموں کے درمیان دوستانہ

1.Witt charletto, *Feminist history of philosophy*, standford, Uk, 2006.P:263
2.Cott Nancy, *The Grounding of modern Faminism*, Yale University Press,1987.

تعلقات بڑھ رہے تھے وہ دشمنی میں بدل گئے۔ حقوق نسواں کی تنظیموں نے سب سے زیادہ تنقید زنا آرڈیننس پر کی کیونکہ مغرب کی ایماء پر وہ زنا Rape صرف اس عمل کو سمجھتے ہیں جس میں مرد کی طرف سے عورت پر زبردستی کی جائے لیکن باہمی رضامندی سے وقوع پذیر ہونے والے اسی عمل کو وہ زنا Rape کا نام نہیں دیتے بلکہ اسے ایک ذاتی یا انفرادی حق سمجھا جاتا ہے اور انکے خیال میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں جس طرح کا فعل چاہے سرانجام دے۔ لیکن چونکہ زنا آرڈیننس میں دونوں طرح کے زنا کو ایک ہی جیسا جرم قرار دیا گیا تھا اس لئے اسکے خلاف بہت واویلا مچایا گیا۔[1]

1981 میں خواتین کے ایک گروپ نے شرکت گاہ کراچی میں ملاقاتیں کیں اور ویمن ایکش فورم WAF تشکیل دیا، لاہور، اسلام آباد اور پشاور میں بھی اسکے دفاتر کھولے گئے اور یوں یہ تنظیم پاکستان کے اندر خواتین کے ریڈیکل گروپ کی سرکردہ تنظیم بن گئی اور اس تنظیم نے حکومت کے خلاف احتجاج، جلوس، ریلیاں، مظاہرے، دستخطی مہمیں وغیرہ شروع کر دیں اور اسکے ساتھ ساتھ اس تنظیم نے ترقی پسند شاعروں، ادیبوں، اداکاروں، فنکاروں کو حکومت کے خلاف مزاحمت کرنے پر اکسایا۔ کشور ناہید کی نظم "ہم گناہگار خواتین" اور فہمیدہ ریاض کی نظم "چادر اور چاردیواری" اسی زمانے میں سامنے آئیں اور انہیں اس تنظیم نے ترانوں کی شکل میں پیش کیا۔ اس دور میں اس تنظیم کے اندر بھی کئی مباحثے ہوئے اور پھوٹ بھی پڑ گئی کیونکہ تنظیم کے قیام کے وقت اسکے تمام نظریات کا رخ واضح نہیں تھا، اس میں سیکولر، سوشلسٹ، لبرل، عام سیدھے سادے مسلمان غرض ہر سوچ اور نظریے کے لوگ شامل ہو گئے لیکن جب نظریاتی امور پر مباحثے شروع ہوئے تو اندر کے اختلافات کھل کر سامنے آ گئے اور یہ بھی سب پر کھل گیا کہ یہ تنظیم دراصل کس قسم کے نظریات کی اشاعت کیلئے کام کرنا چاہتی ہے۔[2]

یہ تنظیم جو شروع میں یہ اندازہ لگائے بیٹھی تھی کہ مغرب کی طرح یہاں بھی وہ خواتین کو اسلامی تہذیب کی ہر روایت سے بغاوت اور انحراف کرنے پر مجبور کر دے گی لیکن اس اندرونی خلفشار کے باعث تنظیم کے سرکردہ لوگوں پر بھی یہ واضح ہو گیا کہ پاکستان ایک اکثریتی مسلم ملک ہے، یہاں کی تہذیب اور روایت میں مغرب کی بہت سی چیزوں کو زبردستی شامل کرنا ممکن نہیں۔ اور پاکستان کو مغربی ممالک کی طرح ایک جدید سیکولر ریاست نہیں بنایا جاسکتا۔ ان پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اپنی تنظیم کی بھرپور پذیرائی کو جو روشن خیالی اور خواتین کی آزادی کے حق میں سمجھ رہے تھے وہ دراصل مارشل لاء کے خلاف پذیرائی تھی اس کا خواتین کے حقوق یا آزادی سے ذرا کم ہی تعلق

1۔ مبارک علی، تاریخ میں عورت کی معاشرتی حیثیت، (تاریخ پبلی کیشنز، لاہور، 2014)، ص:23

2۔ ایضا، ص:25

تھا۔ چنانچہ اس تنظیم کو اپنے ایک اعلامیے میں کہنا پڑا کہ ان کی جدوجہد جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس تنظیم نے ریڈیکل کارکنوں پر مشتمل ایک الگ "وومن ایکشن فورم" تشکیل دیا جس کا مقصد مغرب کے طرز پر خواتین کو منظم کرنا تھا۔ اس فورم میں سب وہ لوگ شامل ہوئے جو اپنے آپ کو فیمنسٹ کہتے تھے، عورت پر ہونے والے ہر ظلم کو "پدرسری نظام معاشرت" میں تلاش کرتے اور مردوں کو اپنا دشمن قرار دیتے۔ اس تنظیم کی ممبر شپ سب خواتین کیلئے کھلی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس میں خاص قسم کی تربیت یافتہ خواتین کو ہی ممبر شپ لینے کی اجازت تھی کیونکہ انکو ہر وقت یہ خطرہ بھی رہتا تھا کہ سب خواتین کیلئے ممبر شپ کھولنے پر جماعت اسلامی کا وسیع خواتین ونگ ان کی تنظیم کو ہائی جیک بھی کر سکتا ہے۔[1]

الغرض یہ فورم اپنے قیام سے ہی ایک مخمصے کا شکار رہا کہ اگر اس میں سب خواتین کو شرکت کی اجازت دی جائے تو ریڈیکل ایجنڈے کو نہیں اپنایا جاسکتا اور اگر ریڈیکل ایجنڈے کو سختی کے ساتھ اپنانے کی کوشش کی جائے تو عام خواتین کی شرکت کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی طرح اگر فیمنزم کا نام استعمال کیا جائے تو خواتین اس تنظیم میں آنے سے گھبراتی ہیں اور اگر یہ نام استعمال نہ کیا جائے تو مغرب میں پزیرائی ملنا ممکن نہیں۔ اور بالاخر فیمنسٹ اسکالر فوزیہ گردیزی کو یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ "وومن ایکشن فورم کے دو اہم مسائل تھے ایک فورم کا اپنا نقطہ نظر، نظریہ اور اسکے مطابق کام کرنے کی کوشش اور دوسرا اسلامی فریم ورک کے اندر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکامی"۔ اسی طرح ایک مشہور تاریخ دان عائشہ جلال نے کہا کہ "خواتین کا تعلق مختلف طبقات سے ہے اور خواتین پر ہونے والے ظلم کا تعلق عموماً نچلے طبقات سے ہوتا ہے لیکن وومن ایکشن فورم میں شامل خواتین کا تعلق زیادہ تر مڈل کلاس یا اعلیٰ طبقات سے اور اعلیٰ طبقات کی خواتین اتنی بے سہارا نہیں ہوتیں کہ ان پر ظلم کیا جاسکے اس لئے فیمنسٹ کی طرف سے اس ظلم کو اسلام سے جوڑنا یا پدرسری نظام کا شاخسانہ قرار دینا درست نہیں۔

نوے کی دہائی کے اختتام تک این جی اوز ایک بین الاقوامی مظہر کے طور پر دنیا بھر میں اور پاکستان میں بھی بڑی تعداد میں پھیل چکی تھیں چنانچہ انہوں نے پاکستان میں بھی صنفی مسائل پر بات کرنا شروع کر دی۔ ان صنفی مسائل میں جینڈر ٹریننگ، صنفی حس، صنف کی مرکزی دھارے میں شمولیت، صنفی شعور وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ یعنی اب "عورت" لفظ کے متبادل کے طور پر "جینڈر" کا لفظ استعمال کیا جانے لگا اور اسکا فلسفہ یہ بتایا گیا کہ "پدرسری نظام معاشرت" ہی عورت پر ہونے والے ہر ظلم کی بنیادی وجہ ہے اور اس نظام نے مرد کا راج قائم رکھنے کیلئے عورت کو نرم و نازک اور کمزور باور کرانے کیلئے یہ لفظ ایجاد کیا، اب عورت اس ظالمانہ نظام سے آزادی حاصل کر رہی ہے

1۔ مبارک علی، تاریخ میں عورت کی معاشرتی حیثیت، ص:28

لہذا اس لفظ کو بھی تبدیل ہونا چاہیے کیونکہ مرد و زن کی مساوات اور برابری اس وقت ہی قائم ہو سکتی ہے جب دونوں کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا جائے۔ دو الگ الفاظ حاکم اور محکوم کی یاد دلاتے ہیں۔ اس حوالے سے این جی اوز نے اہم کردار ادا کیا اور کسی بھی این جی اوز کو اس وقت تک باہر سے فنڈز کا اجراء نہیں ہوتا جب تک وہ مذکورہ فلسفے کی ترویج پر کاربند نہ ہو۔ یو ایس ایڈ پروگرام کی طرف سے خاص ہدایت تھی کہ محض مساوات کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ اسکی بجائے صنفی مساوات Gender Equality کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اور ان کی امداد پر چلنے والے پروگرام کا نام Gender Equality Program ہی رکھا گیا۔ [1]

چنانچہ حقوق نسواں کی تحریک کی تاریخ میں یہ وہ موقع ہے جب "خاتون" کے لفظ کو اس تحریک سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور یہ عہد کیا گیا کہ آئندہ اس لفظ کو اس تحریک کے کسی پروجیکٹ میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جو سادہ لوح خواتین این جی اوز کو خواتین کے حقوق کی ضامن سمجھتی ہیں وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ این جی اوز ہی ہیں جنہوں نے خواتین کے حقوق کی تحریکوں اور تنظیموں کو غلط راستے پر ڈال کر گہرا نقصان پہنچایا ہے۔ سب مشہور اور بااثر فیمنسٹ خواتین نے اپنی اپنی این جی اوز بنالیں اور دنیا بھر سے فنڈز اکھٹے کر کے اس شعبے کو ایک بزنس اور انڈسٹری بنا دیا۔ اب ان کا کل کام یہ ہے کہ ڈونرز کو ہر ماہ سچی جھوٹی رپورٹیں بھیجتی رہیں اور ان کے کہنے پر سوشل میڈیا پر شور مچاتی رہیں، کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے کے مصداق، ڈونرز ان کے فنڈز تو نہیں روکتے لیکن ہمیشہ ان پر "ڈبل گیم" کا الزام لگاتے رہتے ہیں اور انہیں "ڈومور" کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ جب ڈونرز کی طرف سے فنڈز استعمال کرنے کے معاملے میں سختی کی جاتی ہے تو ان این جی اوز کے اندر آپس میں بھی مسابقت دیکھنے میں آتی ہے اور یہ ایک دوسرے کے راز بھی افشا کر دیتے ہیں اس طرح کئی این جی اوز کو اب تک مالی بے ضابطگیوں کے الزام میں بلیک لسٹ کیا جا چکا ہے۔

پاکستان میں سول سوسائٹی خواہ کتنی ہی جدید طرز اور مغربی طرز پر نظر آئے لیکن ان کا مقصد نہ جمہوری نظریات کا حصول ہے نہ مغربی طرز کی جمہوریت، آزادی، خود مختاری، عوامی حکومت وغیرہ ان کے ہاں صرف نعرے تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کا حصول ان کے بنیادی مقاصد میں نہیں، یہ کچھ گروہ ہیں جو حکومت کی ناکامی کی وجہ سے ابھر کر سامنے آئے ہیں اور انہوں نے این جی اوز کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ حکومتوں کا وزیر، مشیر بن کر اپنی شہرت، منافع بخش معاہدوں، اور مزید کامیابیوں کیلئے راہ ہموار کرنے کو برا نہیں سمجھتے۔ [2]

1۔ ثریا بتول، جدید تحریک نسواں اور اسلام، (ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور، 2007)، ص:47

2۔ ایضا، ص:49

جدید عورت مارچ کا دور:

8 مارچ 2018 کو خواتین کے عالمی دن کے موقع پر پاکستان میں پہلی بار عورت مارچ کا انعقاد کیا گیا۔ عورت مارچ خواتین کے حقوق کی جدوجہد کا ایک نیا موڑ تھا جب نوجوان خواتین کی بڑی تعداد اپنے حقوق کے لیے پلے کارڈز اور بینرز لے کر ملک کے بڑے شہروں میں نکلیں۔ خواتین کے ہاتھوں میں موجود بینرز ان کے متعدد مسائل جیسے ہراسیت، صنفی امتیاز اور معاشرتی رویوں کی عکاسی کر رہے تھے۔ ان پر درج نعرے جارحانہ تھے تاہم وہ میڈیا اور عوام کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ سوشل میڈیا پر شروع ہونے والی بحث گھر گھر میں چھڑ گئی۔ اگلے سال 2019 میں مارچ نے مزید توجہ حاصل کی اور اس سال کا مارچ انعقاد سے قبل ہی سب کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔

یہ کہنا غلط ہے کہ عورت مارچ غیر ملکی ایجنڈے کو لے کر آ رہا ہے۔ عورت مارچ نے پاکستان میں کلچر کو تبدیل کیا ہے اور اب خواتین کے مسائل کے حوالے سے مرد زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔ خواتین کے حقوق کے لیے سرگرم سماجی کارکنان پاکستان میں سات دہائیوں سے خواتین اپنے حقوق کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ جنگ آزادی میں بھی خواتین نے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ پچھلے چالیس سال سے خواتین پورے پاکستان کے شہروں میں آٹھ مارچ کو جلسے جلوس اور مارچ کرتی چلی آ رہی ہیں۔ 2018 سے عورت مارچ زیادہ جوش اور جذبے سے منعقد ہو رہا ہے۔[1]

اس تحریک کا مقصد آغاز یہی تھا کہ خواتین کو تعلیم اور صحت کے شعبوں میں حقوق میسر ہوں۔ خواتین کو جنسی ہراسگی سے تحفظ ملے، خواتین کو ملازمت میں حصہ ملے، گھریلو تشدد اور صنفی تشدد کے خلاف قوانین پر عمل درآمد ہو، کم عمر کی شادیوں پر پابندی اور سزا کے قوانین کا نفاذ کیا جائے۔ خواتین کے لیے ایسا فورم بنایا جائے جہاں خواتین کو انصاف کے حصول میں آسانی ہو۔ لیکن گزشتہ چند سالوں میں اس مارچ کے تقاضوں یا مطالبات نے نعروں کی صورت میں توجہ تو حاصل کی لیکن خواتین کے اصل مسائل عدم توجہی کا شکار ہو گئے۔

2۔ وسیم عباسی، پاکستان میں خواتین کی تحریکیں، (5 مارچ 2020)، اردو نیوز، اسلام آباد

فصل سوم

تحریک حقوق نسواں کے بنیادی مقاصد

فصل سوم:

تحریک حقوق نسواں کے بنیادی مقاصد

تحریک حقوق نسواں ایک مخصوص ایجنڈے کو لے کر کام سر انجام دے رہی ہے اس تحریک کے مختلف مقاصد ہیں اور اس تحریک کے ذریعے وہ مقاصد کے حصول کے لیے سر گرم عمل ہیں، یہاں ہم اس تحریک کے چند مقاصد کا ذکر کریں گے۔

مخلوط معاشرہ اور مخلوط تعلیمی نظام:

تحریک حقوق نسواں کا ایک بنیادی مقصد نظام تعلیم میں بگاڑ پیدا کرنا ہے جس کے تحت وہ مخلوط تعلیمی نظام کو فروغ دے رہے ہیں گویا کہ مخلوط تعلیمی نظام کے ذریعے معاشرے کے نوجوانوں کی ذہن سازی کرنا ہے۔ مخلوط تعلیمی نظام کے ذریعے معاشرے میں مسلمانوں کی عزت، عظمت اور عصمت کو مخلوط سوسائٹی ذریعے نقصان پہنچانا بھی اہم ہدف ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام تو دراصل مغربی تعلیمی نظام کا مرہون منّت ہے اس کی ابتدا ۱۹۰۰ کے اوائل میں ہوئی اور ۱۹۵۰ میں تحریک نسواں کے علمبرداروں (Feminists) نے اس طرز تعلیم کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کی کوشش کی تاکہ عورتیں مردوں کے شانہ باشانہ چل سکیں، تحریک نسواں کے علمبرداروں یعنی Ngo`s نے آج کل اس کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے، تحریک نسواں میں صرف نام کا نسواں ہے ورنہ ان کا مقصد مسلم معاشروں کو مغربی معاشروں جیسا بنانا ہے۔ نظام تعلیم کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے یہ دور حاضر کے اہل مغرب کی ایجاد ہے، دنیا کی قدیم تہذیبوں کے حامل ترقی یافتہ قوموں میں بھی مخلوط تعلیم کا رواج نہیں ملتا، تاریخ کے ہر دور میں لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ نظام تعلیم رائج تھا،[1] اس سلسلہ میں احمد انس کا یہ اقتباس بڑا چشم کشا ہے:

> ”تاریخ انسانی میں مغربی تہذیب کا دور وہ جدید دور ہے جس میں پہلی بار مخلوط تعلیم کو ملک کے نظام تعلیم کے ایک لازمی اور مستقل جز کی حیثیت سے اختیار کیا گیا ہے، یونانی بہت ترقی یافتہ تھے آزادیٔ نسواں کے بھی قائل تھے، لیکن ان کے پاس مخلوط تعلیم کا کوئی تصور نہیں تھا، چین کا نظام تعلیم ہر دور میں ترقی یافتہ رہا، لیکن مخلوط تعلیم کا کوئی سراغ ان کی تاریخ میں بھی نہیں ملتا حتی کہ مغربی تہذیب کے اولین دور میں بھی اس کا کوئی مستقل وجود نہیں تھا، مخلوط تعلیم کی

1۔ خطیب احمد، مخلوط طرز تعلیم اور معاشرہ، مکالمہ، (15 جون 2018)، ایکسپریس نیوز، اسلام آباد

ابتدا ایک مستقل نظام کی حیثیت سے اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوئی، تاریخ بتاتی ہے کہ تہذیب انسانی کے تقریباسب ہی ادوار میں یونان وروم کی تہذیبوں میں اور خود مغرب میں اٹھارہویں صدی کے اواخر تک عورتوں اور مردوں کی تقسیم کار موجود رہی ہے، معاشی، سیاسی اور فکری میدانوں میں رہنمائی مردوں کا کام تھا جب کہ گھر داری اور بچوں کی پرورش عورتوں کا کام"۔(1)

مخلوط تعلیم کا آغاز مساوات مرد وزن کے پر فریب نعرے سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے تخلیقی طور پر عورتوں اور مردوں کے درمیان صلاحیتوں کے اعتبار سے فرق رکھا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہو، لیکن صنعتی انقلاب کے بعد جب سرمایہ داروں کے لیے زیادہ سے زیادہ عملہ کی ضرورت ہوئی تو کم از کم معاوضہ میں زیادہ کام کروانے کے لیے خواتین کو آزادئ نسواں کے پر فریب دام میں پھانس کر انھیں مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا گیا، انسانی معاشرے میں جب مرد وخواتین میں سے ہر ایک کا دائرہ کار الگ الگ ہے اور دونوں کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں تو دونوں کا نظام تعلیم بھی علیحدہ ہونا چاہیے۔ مخلوط تعلیم کے تباہ کن اثرات کا مشاہدہ کرنا ہو تو موجودہ معاشرے کا جائزہ لیجئے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے حوالے سے شائع ہونے والی خبریں پڑھیے، شاید ہی کسی دن کے اخبارات ایسی خبروں سے خالی رہتے ہوں جن میں مخلوط نظام تعلیم کے کسی برے اثر کا تذکرہ نہ رہتا ہو۔(2)

اخلاقی بگاڑ کا فروغ:

اس تحریک کا ایک مقصد اخلاقی بگاڑ کا فروغ ہے جس سے نئی نسل کے اخلاق پر اثر پڑ رہا ہے، کسی بھی معاشرہ کے بگاڑ اور زوال کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی قدروں، اصول اور طریق کار کو پسِ پشت ڈال کر دوسروں کی گریہ زاری کرے اور اپنی سماجی و مذہبی خصوصیات و امتیازات سے دستبردار ہو کر دوسرے سماجوں اور تہذیبوں کا پرچار کرے۔ میڈیا کے ذریعہ آزادئ نسواں کی پر فریب صدا عرصہ دراز سے لگائی جاتی رہی ہے اور آزادی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فوائد اور مغربی خواتین کی پر عیش زندگی کے نمونے مختلف شکلوں میں سنائے، دکھائے اور پیش کیے جاتے ہیں، مختلف عالمی تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے مساواتِ مرد وزن کی صدا بھی لگائی جاتی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین تہذیب مغرب کی تجلیات سے متاثر ہو کر اسی کی پیروکار بن جائیں اور اسلامی اعلیٰ اقدار و اخلاق سے دستبردار ہو جائیں، اپنی مذہبی و تہذیبی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں۔

1۔ یاسر جاوید، انسائیکلوپیڈیا سوشل سائنس، (ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور)، ص:614

2۔ خطیب احمد، مخلوط طرز تعلیم اور معاشرہ، (15 جون 2018)، ایکسپریس نیوز، اسلام آباد

اپنے فطری کاموں اور فرائض کو چھوڑ کر یورپ کی بے حجابانہ اور عریاں آزادی کے حصول کے لیے پوری طرح سے سرگرم ہو جائیں۔ اس طرح ان کی پاکیزگی داغدار ہو جائے، ان کی عزت کی چادر تار تار ہو جائے، ان کی کرامت و شرافت گدلی ہو جائے، بے حجابی اور اختلاطِ مرد وزن والے ماحول کے اثرات سے پوری طرح متاثر ہوں، وہ حیا چھوڑ کر بے حیائی کو اختیار کر لیں اور خواہش پرست انسانوں کے دام فریب میں آجائیں اور انہی کا نشانہ بن جائیں اور اس طرح اپنے دین و مذہب سے مکمل بیگانہ و بیزار ہو کر یورپین کلچر میں اس طرح ضم ہو جائیں کہ اسلام کا کوئی اثر ان کے کردار، باطن، سیرت اور صورت و ظاہر اور قول و عمل میں نظر ہی نہ آئے اور پھر یہ سب کچھ وہ اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو ذلت سے نکل کر عزت میں اور پستی ورذالت سے نکل کر بلندی و شرافت میں آنے والا باور کریں اور ان کے ذہنوں میں یہ راسخ ہو چکا ہو کہ اسلام میں عزت و شرافت نہیں، وہ تو دقیانوس، رجعت پسند، شدت پسند اور آؤٹ آف ڈیٹ مذہب ہے جبکہ مغربی کلچر میں عزت و شرافت ہے، بلندی و کمال ہے اور وہ ہر لحاظ سے نئے دور سے ہم آہنگ ہے، فطری تقاضوں کے موافق ہے، اپ ٹو ڈیٹ ہے اور اس میں تمام مشکلات کا حل اور تمام مسائل کا مداوا ہے۔ کیونکہ جب تصورات اس رخ پر آجائیں کہ حقائق مسخ ہو جائیں اور معیارِ عزت و ذلت معکوس ہو جائے تو پھر درستی اور اصلاح کے مواقع بے حد کم ہو جاتے ہیں۔ مغربی میڈیا اپنے ان مقاصد میں کافی کامیاب بھی ہوا ہے، مشرقی خواتین مغربی خواتین کے شانہ بشانہ ہر کام میں شریک ہوئیں، آزادی کی تلاش میں ان کا دامنِ عصمت تار تار ہوا، وہ نشہ آور اشیا کی عادی ہوئیں، وہ اخلاق سے عاری ہوئیں، مادی زیب وزینت اور چمک دمک نے ان کو اپنا اسیر بنایا، اس طرح وہ ذلت اور پستی کی آخری حدوں کو جا پہنچیں اور پھر ان میں سے بہتوں کو اپنی نادانی کا احساس بھی ہوا اور پھر وہ راہِ راست پر آئیں۔[1]

مشہور اسلامی مفکر و اسکالر ڈاکٹر مصطفی سباعی نے اپنی کتاب ''المراۃ بین الفقہ والقانون'' میں اپنے المناک مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''میں نے یورپ کا چار بار دورہ کیا ہے اور ہر بار مجھے سب سے زیادہ دکھ اور رونا اس پر آیا کہ مغربی عورت بڑی حرماں نصیبی کی زندگی گزار رہی ہے، آزادی کے نام پر اسے رسوا کیا جا رہا ہے، وہ ہر ایک کے لیے نوالہ تر بنی ہوئی ہے، مغربی مرد عورت کی کمزوری کی قیمت وصول کر رہا ہے، اسے ہر طرح ذلیل کر رہا ہے، اس کا استحصال ہو رہا ہے، مادی منافع اور جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے عورتیں استعمال کی جا رہی ہیں، سنیما،

1۔ سید احمد ومیض، مخلوط تعلیم کے مہلک اثرات، مضامین، (31 مئی 2016)، روزنامہ نوائے وقت، لاہور

ٹی وی، رنگین میگزین اور نمائشوں اور ان میں مغربی خواتین کا کردار دیکھ کر جو لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور اسے آزادی اور بلندی باور کرتے ہیں، درحقیقت وہ بہت کوتاہ بیں ہیں، اگر یورپ میں دس عورتیں اونچے مناصب پر فائز اور بلند مرتبہ ہیں تو دوسری طرف وہی دسیوں ملین عورتیں غلاموں جیسی پابند اور ذلت آمیز شرمناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں"۔[1]

کو ایجوکیشن کے رواج نے بچوں کے اخلاق کو بری طرح متاثر کیا ہے شرم وحیاء جو انسان کا سب سے قیمتی زیور ہے رخصت ہوتا جارہا ہے، قریب البلوغ کا زمانہ جذبات میں ہیجان کا دور ہوتا ہے اس عرصہ میں نوخیز اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ساتھ مل بیٹھنا اور بے حجابانہ میل وجول شہوانی جذبات کو بھڑکا کر ہیجانی کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آج آزادانہ اختلاط اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ تعلیم وتحقیق کے راستے سے شیطانیت راج کر رہی ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس قدر جنسی بے راہ روی کا ماحول ہے کہ ایک آدمی اس کا تصور نہیں کر سکتا، مغربی اباحیت پسندی کے ماحول میں یونیورسٹیوں کے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے اس قدر بے تکلف اور قریب ہو جاتے ہیں کہ سارے فاصلوں کو ختم کر کے گناہوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں، لڑکوں اور لڑکیوں کو پورے آٹھ گھنٹے ایک ساتھ بٹھانا دراصل انھیں جنسی اشتعال دلانا ہے جس سے جنسی بے راہ روی اور نفسیاتی کشمکش پیدا ہوتی ہے، زنا بدکاری اور ہم جنس پرستی کو فروغ ملتا ہے اسکولوں میں اخلاقی بگاڑ اور جنسی انارکی کہاں تک پہنچ چکی ہے اس کا اندازہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں رونما ہونے والے واقعات اور وہاں کی صورت حال سے کیا جا سکتا ہے، ورجینیا کے ایک چھوٹے سے لڑکیوں کے اسکول کے بارے میں خود وہاں کی طالبات کا کہنا ہے کہ ہے 75 سے 85 فیصد تک کی لڑکیاں جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں، ایک اندازے کے مطابق سراکوز یونیورسٹی کی 6 ہزار طالبات میں اوسطاً 400 سالانہ حاملہ ہوتی ہیں۔[2]

مساوات، معاشی ترقی کے نام پر عورت کو گھر سے باہر نکالنا:

تحریک نسواں کی تحریک دنیا میں انیسویں صدی میں شروع ہوئی لیکن اس کا مقصد عورت اور مرد کی برابری تھا، مگر اس کے بعد پچھلے چند سالوں سے یہ ہنگامہ حقوق نسواں کم اور مردوں کے خلاف جنگ زیادہ محسوس ہونے لگا ہے۔ وہ عورت جو بنیادی حقوق اور شخصی انفرادیت سے محروم تھی، اس ساری جنگ میں وہ بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ حقوق نسواں کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ مظلوم اور کمزور خواتین کا ہاتھ پکڑ کر استحصال کے گھڑے سے نکال

1۔ سید احمد ومیض، مخلوط تعلیم کے مہلک اثرات، (31 مئی 2016)

2۔ سباعی، مصطفی، اسلام اور مستشرقین، (ادارہ اسلامیات، لاہور، 1982) ص: 123

کر استحقاق کے مقام تک لایا جاتا، معاشرتی ناہمواریوں کی اصلاح کی جاتی، ناخواندہ اور پسماندہ عورت آج بھی روایات اور جبر کی چکی میں پس رہی ہے، مگر تعلیم یافتہ اور خواتین مارچ کی فیمنسٹ کو لباس اور تعلقات سے آزادی درکار ہے۔

اسلام عورت کو کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، صرف اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ اگر گھر کے باہر کام عورت کے بنیادی فریضے یعنی بچوں کی تربیت اور کنبے کی نگہداشت سے متصادم نہیں ہو رہا ہے تو شائد یہ ضروری بھی ہو۔ کوئی بھی ملک گوناگوں شعبوں میں عورتوں کی افرادی طاقت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ انتہاپسندی سے کام لیتے ہیں۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ سماجی سرگرمیوں کی وجہ سے گھر، شوہر اور بچوں کا خیال رکھ پانا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا سماجی سرگرمیوں سے کنارہ کشی کر لینی چاہئے جبکہ بعض کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ گھر، شوہر اور بچوں کی وجہ سے سماجی سرگرمیوں کا موقع نہیں مل پاتا لہٰذا شوہر اور بچوں سے ناتہ توڑ لینا چاہئے یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں، کسی ایک کو بھی دوسرے کی وجہ سے ترک نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ گھر سے باہر کام، عورتوں کا اولین اور بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ عورت کا بنیادی ترین مسئلہ اور فریضہ وہ ہے جسے آج بدقسمتی سے مغرب میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وہ ہے تحفظ کا احساس، سلامتی کا احساس اور صلاحیتوں کے نشو نما پانے کے امکانات کی فراہمی کا احساس اور معاشرے میں، خاندان میں، شوہر کے گھر میں یا والدین کے گھر میں اس کا ظلم و زیادتی سے محفوظ رہنا۔ جو لوگ عورتوں کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں انہیں ان پہلوؤں پر کام کرنا چاہئے۔ [1]

مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے مقابل کرنا:

سوشل میڈیا اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں 20 سے 30 لبرل خواتین پورے پاکستان میں این جی اوز کی سرپرستی میں مذہب، مولوی حضرات، باپ اور بھائیوں پر سوال کھڑے کر رہی ہیں۔ عورت مارچ کا مقصد معاشرے میں بے راہ روی یا سادے الفاظوں میں ایک عورت جس سے چاہے جب چاہے تعلق قائم کرے اور اس کا شوہر، باپ، بھائی یا بیٹا اس کو روکنے والے کوئی نہیں ہوتے۔ یورپ خود کو صحیح ثابت کرنے کیلئے آج اس بات ہم لوگوں کو قائل کر رہا ہے کہ عورت قید میں ہے کیسے؟

اسلام نے خواتین کو مردوں کے مساوی نہیں بلکہ مردوں سے زیادہ حقوق دیے ہیں اور ان حقوق کے ساتھ فرائض بھی ہیں، لبرل خواتین و حضرات جو حقوق کی بات کرتے ہیں اصل میں تو انھوں نے خواتین کے حقوق سے واقف نہیں ہیں۔ عورت مارچ سے مردوں کو چند اختلاف یہ تھے" کہ نام نہاد چند خواتین پورے معاشرے کو بدنام نہ کریں، غیر اخلاقی قسم کے بینرز آویزاں نہ کیے جائیں و دیگر فحش ویڈیوز بنا کر معاشرے میں بے راہ روی عام نہ کریں، دوسری جانب عورت مارچ سے عورت کو کیا اختلاف ہے سب سے بڑی اور قابل قدر بحث یہ ہے عورت مارچ سے ان

1۔ مودودی، سید ابو الاعلی، خواتین اور دینی مسائل، ص:206

خواتین کو اعتراض جو خود مردوں کے شانہ باشانہ کام کرتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جس طرح چند خواتین تمام خواتین کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں اسی طرح چند مرد بھی تمام مردوں کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں گویا خواتین مردوں کے مدمقابل ہو کر ان سے حقوق حاصل کرنا چاہتی ہیں جہاں مرد ہی خواتین کو تحفظ دیتے ہیں لیکن بعض افراد کے منفی رویے پورے معاشرے کے لیے ایسی مثالیں قائم کرتے ہیں جو کہ پورے معاشرے کی عکاسی تو نہیں کرتے لیکن چند افراد ان کو بنیاد بنا کر مرد و عورت کو ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کرتے ہیں تا کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا کر سکیں۔[1]

خاندانی نظام کو بکھیر دینا:

ہمارے خاندانی نظام میں انتشار کی ایک وجہ مغربی کلچر کے نتیجے میں طرز حیات میں آئی تبدیلیاں بھی ہیں ، مغربی تہذیب کے اثرات خاندانی نظام پر بہت گہرے ہو رہے ہیں۔ مغرب کی مادہ پرست، آزاد اور لبرل تہذیب خود مغرب کے لیے سود مند ثابت نہیں ہو سکی، لیکن ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی جانب حسرت سے تکتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ خاندان میں بے سکونی، تصنع، کنزیومرزم، معیار زندگی کی ہوس، عیش پسندی کا مزاج، فضول خرچی کے رویے، قرضوں کے ذریعہ تعیشات کا حصول ذہنی انتشار پیدا کرتے ہیں اور سب مضبوط خاندان کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔

بچوں کی تربیت اور مغربی تہذیب کے اثرات سے ہمارا نظام بکھر رہا ہے خواتین کو اس بات پر ابھارا جا رہا ہے کہ وہ گھروں سے باہر نکلیں کیونکہ وہ گھر کی ملازمہ نہیں اور گھر میں قید رہنا عورت کی آزادی نہیں لہذا وہ خاندان کو پس پشت ڈال دیں تا کہ باہمی اختلافات میں اضافہ ہو اور خاندانی نظام بکھر جائے اور معاشرے میں ایسے افراد تیار ہوں جو مغربی کلچر کے دلدادہ ہوں۔[2]

مغربی کلچر کا فروغ:

اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمان عورتوں کے لیے ایسے قوانین و اصلاحات کا نفاذ ہے جس کی بدولت وہ مغربی عورتوں کے دوش بدوش ترقی کر سکیں۔ اسلام سے لگاؤ ان کے رگ وپے میں سرایت ہے۔ ان کے دل و دماغ دونوں مسلمان ہیں مگر زندگی کے میدان میں یورپ کی ساتھ مسابقت ان کا مطمع نظر ہے۔ مغرب سے مسابقت کی دوڑ میں وہ مغرب کی نقالی کی صورت اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کی ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ انہیں اپنے مزاج اپنے معاشرے اور اس کی ضروریات کا قطعی علم نہیں۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ انہیں مسابقت کے لیے مغرب کی کون سی

1۔ تحریک حقوق نسواں کیا ہے؟ مضمون، (5 جون 2013ء)، روزنامہ نوائے وقت، اسلام آباد

2۔ عمری، جلال الدین، اسلام کا عائلی نظام، (مکتبہ مرکزی اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی، 2017)، ص:24

اقتداء اور اطوار قبول کرنے چاہئیں اور کون سے نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ مغربیت کو اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ احساس کمتری کے نتیجے میں قبول کیا گیا۔[1]

1۔ مبارک علی، تاریخ اور عورت، ص:73

خلاصہ باب:

تحریک حقوق نسواں کا باقاعدہ آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا جہاں مرد و عورت نے بنیادی حقوق کی فراہمی کے لئے آواز بلند کی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت مرد و خواتین دونوں کو ہی بنیادی حقوق میسر نہیں تھے اس جدوجہد کے نتیجے میں انقلاب فرانس رونما ہوا اور اس جدوجہد نے ایک تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد مرد و خواتین کو بنیادی حقوق کی فراہمی تھا۔ تحریک نسواں کی تاریخ بہت قدیم ہے اور ہر دور میں خواتین اپنے حقوق کے حصول کے لیے مطالبہ کرتی رہی ہیں اور اس مقصد کے لیے مختلف ادوار میں مختلف کانفرنسیس کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا جہاں خواتین کے حقوق کے لیے آواز بلند کی جاتی رہی ہے ابتداء میں اس تحریک کا مقصد خواتین کو ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی تھا جس کے لئے تحریک کا آغاز کیا گیا تھا لیکن پھر وقت کے ساتھ اس تحریک کے مطالبات میں اضافہ ہوا اور بات مساوات مرد وزن تک پہنچ گئی اور خواتین کے لئے باقاعدہ گھر میں کام کرنے کے عوض معاوضہ کا مطالبہ کیا گیا اور خواتین کو باپ اور شوہر جیسے رشتے سے آزادی کے نام پر برابری کی سطح پر حقوق دیئے گئے -عورت کے لیے ہر معاشرے نے اپنی ثقافت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال کیا ہے مثلا زن، خاتون وغیرہ جبکہ پاکستان میں خواتین کے لیے عورت ، ویمن، جیسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے جبکہ اسلام میں عورت کے لیے النساء، المراۃ جیسے الفاظ آئے ہیں ،چونکہ پاکستانی معاشرے میں عورت کی صفات اس کی شرم وحیا جیسی خوبیاں ہیں اس لیے اس کے لیے مستورات کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں "ڈھکی چھپی ہوئی"۔ غرض ہر معاشرے میں عورت لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے جس سے اس کے تقدس میں اضافہ ہو۔ پاکستان میں اس تحریک کا آغاز نوے کی دہائی میں ہوئی جس میں خواتین نے اسلامی اصلاحات کی کھل کی مخالفت کی اور خواتین نے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائی اور باقاعدہ ایسی تنظیموں میں شمولیت اختیار کی جو خواتین کے تحفظ کے لئے کام کرتی تھی اسی سلسلے میں ایک تنظیم WAF کے نام سے وجود میں آئی پھر جہاں خواتین اپنے حقوق کی بات کرتی تھی وہیں وقت کے ساتھ ان کے مطالبات بھی بدلتے گئے اور یہ تحریک حقوق نسواں سے آزادی نسواں یا عورت مارچ تک جا پہنچی اور اب یہ عورت مارچ کے نام سے ہی پہچانی اور منائی جاتی ہے اور 8 مارچ 2018 کو پاکستان میں پہلی بار اس کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں لگائے گئے نعرے جو کہ اسلامی اور معاشرتی اقدار کے منافی تھے لیکن ان کی وجہ سے اس تحریک نے بہت توجہ حاصل کی لیکن اس تحریک کے مقاصد بھی ظاہر ہو گئے کہ کس طرح مغربی کلچر کے فروغ میں کردار ادا کیا جارہا ہے۔

باب دوم

پاکستان میں خاندانی نظام اور اسلامی جہات

فصل اول: اسلام میں خاندان کا تصور اور پاکستان میں خاندانی نظام
فصل دوم: پاکستانی معاشرہ اور خاندان میں عورت کا کردار
فصل سوم: پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے مسائل

فصل اول

اسلام میں خاندان کا تصور اور پاکستان میں خاندانی نظام

فصل اول:

اسلام میں خاندان کا تصور اور پاکستان میں خاندانی نظام

انسان خواہ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو اس کا مرکز محور فطری طور پر اس کا گھر اور خاندان ہوتا ہے۔ ریاست کے بہت سے اداروں میں سے خاندان ریاست کا پہلا اور اساسی ادارہ ہے، جو نسل نو کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے، خاندان کی بلند اور مستحکم اخلاقی اقدار اور معاشرتی استحکام و تعمیر میں مددگار ثابت ہوتی ہیں، یعنی معاشرے کے استحکام پر اور خاندان کا استحکام افراد خانہ کی تربیت پر مبنی ہے، اور گھر ہی وہ مرکز ہے جہاں افرادی قوت تیار ہوتی ہے، تاہم خاندان کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے یہاں اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

خاندان کی اہمیت:

خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی مضبوط معاشرتی نظام کا تصور مضبوط خاندانی نظام کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا، یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس پر کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی خاندان کی اہمیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے، خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے، اس سے فرق مراتب کا شعور بنتا ہے، اگر خاندان کا استحکام کم ہو جائے تو انسانی طرز عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا یقین سب کچھ ختم ہو جائے گا"۔[1]

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ خاندان کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "قوموں کے عروج و زوال خاندان کے استحکام و بقا میں مضمر ہیں۔ کسی بھی تہذیب و تمدن اور قوم کا عروج اس ادارہ (خاندان) کے تعمیر و تربیت پر اور مثبت کردار کا مرہون منت ہے، اس لیے بجا طور پر خاندان کو پہلا ریاستی ادارہ قرار دیا گیا ہے، خاندان ریاست کی ابتدائی منزل اور اساس ہے، اگر خاندان مضبوط رشتوں پر قائم ہو تو معاشرتی نظام بھی استحکام حاصل کرتا ہے، گھر ہی وہ مرکز ہے جہاں افرادی قوت تیار ہوتی ہے۔"[2]

1۔ علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، (المکتبہ العلمیہ، لاہور، 1998)، ص: 83

2۔ سیدہ سعدیہ، پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، (ادارہ اسلامیات، لاہور، 2017)، ص: 3

دنیا کی کوئی ایسی قوم نہیں بتائی جاسکتی، خواہ وہ متمدن ہو یا وقتی، جو اپنا خاص خاندانی نظام نہ رکھتی ہو۔ خواہ وہ سماجی ارتقاء سے بن گیا یا وحی والہام اور خدائی قانون کے ذریعے مرتب ہوا۔ لیکن قوموں کی تکمیل اور صورت گری میں اس کا بڑا بنیادی حصہ رہا ہے۔ تمام مذاہب میں خاندان کی وکالت اس طرح کی گئی ہے کہ گویا یہ خاندان مرد کے لیے گھونسلہ اور عورت کو اولین استاد قرار دیا گیا ہے جس جیسا استاد مہیا ہونا ممکن ہے"۔[1]

خاندانی نظام کی اسلامی جہات:

اسلام خاندان کا وسیع ترین تصور رکھتا ہے۔ ایک مسلم خاندان میں صرف میاں بیوی اور بچے ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، پھوپھیاں، ماموں، خالہ وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسلام ایسے خاندان کا ایک تصور پیش کرتا ہے جو حقوق وفرائض اور خلوص ومحبت، ایثار وقربانی کے اعلیٰ ترین قلبی احساسات اور جذبات کی مضبوط ڈوریوں سے بندھا ہوا ہو۔ اسلام خاندان سے بننے والے معاشرے کے جملہ معاملات کی اساس اخلاق کو بناتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالٗا كَثِيرٗا وَنِسَآءٗ ﴾[2]

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے تمہارا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں“۔

سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ ﴾[3]

ترجمہ: ”اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو“۔

1۔ محمد امین، اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش، (مکتبہ بیت الحکمت، لاہور)، ص:230

2۔ النساء:1

3۔ الحجرات:13

اسلام کے نزدیک معاشرے کا بنیادی ادارہ خاندان ہے جس کی بہتری ، بھلائی اورابتری اور بربادی پر معاشرے کی حالت کا انحصار ہوتا ہے ۔اسلام نے خاندان کی طرف خصوصی توجہ دی ہے تاکہ اس ادارے کو مضبوط سے مضبوط بنایا جائے اورایک مضبوط، صالح اور فلاحی معاشرے کا قیام وجود میں آئے جو انفرادی واجتماعی حقوق و فرائض کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔اسلام خاندان کی بنیاد پاکیزہ اور مستحکم رکھنے کا حکم دیتا ہے اسلام دین فطرت ہے چنانچہ اسلامی خاندانی اصولوں ، قوانین وضوابط اوراقدار میں اس بات کو قطعی فراموش نہیں کیا گیا کہ بحیثیت انسان اس کی فطری خواہشات اور ضروریات کیا ہیں کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے چنانچہ وہی جانتا ہے کہ اس کے لیے اس کی فطرت، جبلت اور ضرورت کے مطابق کیا چیز ہو سکتی ہے۔ انسان کے اندر پایا جانے والا صنفی میلان انسانی بقاء اور نسل انسانی کے فروغ کے لیے انتہائی ضروری ہے اوراس صنفی میلان کے حوالے سے وہ بااختیار ہے کہ ایسے طریقے اختیار کرے جو خاندان کے استحکام کا باعث ہوں یاانتشار کا موجب ہوں۔

اسلام فرد کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ خاندان کو اور خاندانوں کے باہمی اشتراک سے پیدا ہونے والے قبیلے اور برادری کو اور قبائل اور برادریوں سے تشکیل پانے والی قوم یا امت کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ معاشرے کے ہر دائرے کے حقوق کا تحفظ اور فرائض کا تعین کرتا ہے یوں اسلامی معاشرے میں ہر اکائی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے خاندان کے مقاصد بہت بلند اوراہم ہیں اس لیے رسول اکرمؐ نے اسے نصف دین قرار دیا ہے۔ ہر مسلمان کو نیکی کی ابتداء اپنے گھر سے کرنے کی ہدایت ہے اوراہل خانہ کو قرآن میں بھی "اہل" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ﴾ (1)

ترجمہ: "اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیتے رہو اور خود بھی اس پر قائم رہو"

نکاح، خاندان کی بنیاد کا اسلامی طریقہ کار:

اسلام نے نکاح کو خاندان کی بنیاد بنایا ہے۔ اسلام نے بدکاری کو حرام اور نکاح کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک خاندان کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنا چاہتا ہے ۔ اسلام کی رو سے خاندان کی مضبوط بنیاد نکاح کے ذریعے پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ اس بنیاد کو خالصتاً خلوص، محبت، پاکیزگی، دیانتداری اور مضبوط معاہدے جیسے ٹھوس مادے سے ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔

1۔ طٰہٰ:132

سورہ روم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ [1]

ترجمہ: اوراس کی نشانیوں میں سے کہ اس نے تمہارے لیے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرواوراس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی ہے۔

اسلام کی رو سے کسی قوم کی بقاء وسلامتی نکاح جیسے پاکیزہ بندھن کی مرہون منت ہے۔خاندان کے اجزائے ترکیبی میں مرد وعورت اولاد،والدین اور دیگر رشتہ دار ہیں۔اس سے متعلق امور میں عورت کی حیثیت،نکاح وطلاق،تربیت اولاد، حقوق والدین،صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی زیر بحث آتے ہیں۔

خاندان میں عورت کی حیثیت:

عورت خاندانی نظام کی وہ اکائی ہے جس کے بغیر خاندان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عرصہ ہائے دراز سے یہ عورت ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔قدرت نے اگرچہ اسے مرد کی طرح ذی روح اور ذی شعور بنایا تھا۔لیکن اس کے ساتھ مٹی کی بے جان مورتیوں کا جیسابرتاؤ کیا جاتا تھا۔جوئے میں اسے ہارا اور جیتا جاسکتا تھا،شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر ستی ہونا پڑتا تھا کہیں اسے تمام برائیوں کی جڑ کہیں غلاظت کی بوری اور کہیں انسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا اور کہیں چوٹی کے نامور فلسفی اس کے انسان ہونے کا بھی انکار کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔اس کے ازدواجی حقوق کا تصور بھی نہ تھا اوراسے ازدواجی بندھنوں میں مقید کرنے سے پہلے کوئی رائے لینے کا تصور تک نہ تھا۔اسلام سے پہلے عورت کے اس سے بھی بدتر حالات تھے جن میں عورت بے چارگی کی زندگی گزار رہی تھی۔جہاں خاندان کی اہم اکائی کی بے بسی کا یہ حال ہو،وہاں خوشی کا لفظ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔خاندان کی رنگینیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔یہ اسلام ہی تھا،جس نے پہلی مرتبہ اعلان کیا۔

((أَلاان لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حقاوَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حقا)) [2]

ترجمہ: آگاہ رہو کہ عورتوں پر تمہارے حقوق ویسے ہی ہیں جیسے تم مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں۔

1۔الروم:21

2۔ترمذی،ابوعیسیٰ،جامع الترمذی،(مکتبہ رحمانیہ لاہور)،کتاب الرضاع،ح:1163

جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں، اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔ اس کی رائے ہے اور قانون اس کی رائے کا احترام کرتا ہے ۔اس کو اپنے والدین ،اپنے شوہر اور اپنی اولاد کا وارث تسلیم کیا گیا۔ دور حاضر میں تحریک آزادیٔ نسواں کے نتیجے میں عورتوں کے حقوق کی مہم چلی ہے اور مختلف معاشروں میں عورتیں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور مزید حقوق کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ آزادی کی جو صورتیں پیدا ہوئی ہیں، ان میں سے عورت کو انفرادی طور پر یقیناً کچھ فائدہ پہنچا ہے۔ لیکن خاندان کے ادارے پر اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔

تربیت اولاد:

خاندان میں مرد و عورت کے تعلق کے بعد سب سے اہم بچوں کی تربیت اور بزرگوں کی نگہداشت ہے اس لیے ان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر خاندان اولاد کی افزائش کے سبب معزز سمجھا جاتا تھا۔ گو بعض معاشروں میں بچیوں کو ناپسند کیا جاتا تھا اور عرب کے چند جاہل قبائل لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے بچوں اور بچیوں کی تربیت کو عبادت اور احسان سے تعبیر کیا۔ بچیوں کی تربیت کرنے کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

((قَالَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبرعَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابامِنْ النارِ))(1)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص بیٹیوں کی پرورش سے آزمایا گیا اور اس نے اس پر صبر کیا تو وہ بچیاں اس کے اور آگ کے درمیان ڈھال بن جائیں گی۔"

اسلام میں بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ تربیت اولاد کی نوعیت بھی معاشرتی ارتقا کے ساتھ بدلتی رہی۔ اولاد کی تربیت میں زرعی تعلیم، پیشہ ورانہ ہُنر مندی، فوجی تربیت اور مذہبی تعلیم شامل رہی ہے۔ معاشرتی اطوار کی وسعت کے ساتھ تربیت اولاد کے گوشے بھی بدلتے گئے۔ تاہم ہر معاشرہ اپنے مخصوص اخلاقی اُصولوں کو تربیت کیلئے ضروری قرار دیتا تھا۔ دور حاضر کی صنعتی معاشرت کی بدولت زندگی زیادہ پیچیدہ اور وسیع ہو گئی ہے، اس لیے تربیتِ اولاد بھی مشکل مسئلہ بن گیا ہے بلکہ اب تو اولاد کو بوجھ سمجھا جا رہا ہے کیوں کہ اب بچے معاشی معاون نہیں رہے۔ عصر حاضر میں اولاد کی افزائش ناپسند کی جاتی ہے اور مصنوعی تدابیر سے کثرت اولاد کو قلت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔

1۔ ترمذی، ابو عیسیٰ، جامع الترمذی، باب ابواب البر والصلۃ، ح:1913

خاندان کی دیکھ بھال:

بزرگوں کی نگہداشت اوران کامرتبہ بھی خاندان کالازمی عنصر ہے۔بوڑھے والدین خاندان کی تنظیمی بنیاد ہیں۔چونکہ والدین اپنی زندگی کا بہترین حصّہ اولاد کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اس لیے وہ بجاطور پر اس کے مستحق سمجھے جاتے کہ نوجوان اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے۔ابتدائی معاشروں میں والدین خاندان کالازمی جزو تھے اوراولاد کیلئے ضروری تھا کہ والدین کی خدمت کریں۔دور حاضر میں خاندانی نظم کمزور ہونے، ہر فرد کے آزاد ہونے اور معاشی اعتبار سے خود مختار بن جانے کی وجہ سے ان کی نگہداشت کا اندازہ کچھ بدل گیا ہے۔اس دور کی ہلاکت خیزی ہے کہ بوڑھے باپ کانپتے ہاتھوں اور لڑکھڑاتی ٹانگوں سے ضروریات زندگی فراہم کررہے ہیں اور بیٹے جوانی کی صحت مندی پہ نازاں علیحدہ بیٹھے ہیں۔مغربی معاشرے کا یہ خطرناک رجحان اب بوڑھوں کے لیے مستقل مراکز قائم کررہا ہے جس سے ان کی فلاح وبہبود کا خیال رکھاجائے گا۔اسلام نے تربیت اولاد اور نگہداشت بزرگان کا جامع عملی منصوبہ دیا ہے۔قران مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴾ (1)

ترجمہ:اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایاہے کہ اس کے سواکسی کی عبادت نہ کرواورماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو)۔ اگر ان میں سے ایک یادونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں توان کو اُف تک نہ کہنااورنہ ہی انھیں جھڑکنااوران سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔“

خاندانی ہم آہنگی:

ایک اچھے خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض اداکرے اوراس کے عناصر ترکیبی مکمل ہوں۔خاندانی ہم آہنگی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مرد وعورت کے تعلق مستحکم ہوں۔سربراہ خاندان اس طرح کاہو کہ اس کاہر فرد،خواہ وہ زرعی معاشرے کاہو یاصنعتی کا،اس کے فیصلوں کاپابند ہو۔معاشرتی استحکام کی بنیاد خاندانی ہم آہنگی ہے۔جس معاشرے کے خاندانی نظام میں بگاڑ پیداہوجائے،بچے خاندان کالازمی جزو نہ ہوں اور بزرگوں کااحترام نہ ہو،وہ معاشرہ جنسی بے راہ روی اور مجرمانہ تغافل کاشکار،شفقت ورحم سے عاری اورانسانی ہمدردی سے خالی ہوجاتا ہے۔علمائے معاشرہ کے مطابق خاندانی ہم آہنگی فرد کے جذباتی تحفظ کاباعث بنتی ہے۔دور حاضر کے معاشرتی

1۔الاسرا:23

انتشار کا سبب یہی "خاندانی بدنظمی" ہے۔ خاندانی ہم آہنگی میں یہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اعتماد اور بھروسے کا رشتہ صرف میاں بیوی کے درمیان ہونا چاہیے۔ دراصل اس رشتے کا والدین اور بچوں کے درمیان ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے احساسات وجذبات سے آگاہی، ناکامیوں اور تکلیفوں کو مل کر بانٹنے اور خوشیوں میں ایک دوسرے کو شریک کرنے ہی سے خاندان کو ایک وحدت کی حیثیت ملتی ہے جس میں بنیادی کردار ایک عورت کا ہوتا ہے۔ عورت ہی خاندان میں ایک پل کی حیثیت سے تمام رشتوں کو آپس میں جوڑے رکھتی ہے۔ سماجی ہم آہنگی کے لیے خاندان ضروری ہیں، بچوں کی انفرادیت اور انفرادی خوشحالی کی بنیاد خاندان ہے۔

جہاں بچوں اور بالغوں کو معاشرے میں اپنے کردار کے بارے میں سیکھنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ خصوصاً معاشرے کے محروم اور ضرورت مند طبقات کی دیکھ بھال کرنا کرنے کا عمل، بزرگوں کا احترام اور بچوں سے شفقت جیسے امور خاندان ہی میں سیکھنے کو ملتے ہیں۔ والدین کے تعلقات کی کیفیت بچوں کے لیے ایک اہم سماجی عنصر ہے۔ سماجی ہم آہنگی معاشرے کی مشترکہ اقدار کی وضاحت کرتی ہے۔ سماجی ہم آہنگی مقامی اور قومی حکومتوں کے لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ اس کی موجودگی یا فقدان ملک یا معاشرے کی ترقی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ملک یا معاشرے کی فلاح کے لیے باہمی تعلقات کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔ سماجی ہم آہنگی عوام میں موجود اعتماد کی سطح کا تعین کرتی ہے۔ معاشرے کے افراد میں احساس بیدار ہوتا ہے کہ ملک اور معاشرے کو درپیش مسائل ان کے مسائل ہیں جن کے حل کے لیے انھیں کردار ادا کرنا چاہیے کیوں کہ وہ بھی اس کا حصّہ ہیں۔[1]

گھر کے اندر پختہ تعلقات:

اسلام میں تمام خاندانی تعلقات کی بنیاد خدا پرستی اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾[2]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کنبے قبیلے بنا دیے تا کہ تم آپس میں ایکو دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

1.Eric John Hanson, *Social Dimensions of Economic Growth*, (Memorial Lecture, 1996),P:13

2۔ الحجرات:13

معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دے گا، لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر معاشرہ بذات خود فاسد ہے، جس میں جنسی بے راہ روی بڑی حد تک پھیلی ہوئی ہے تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کوئی شخص بھی اپنے کندھوں پر ایسی کسی ذمے داری کا بوجھ ڈالنا قبول کرے گا جس کا تقاضا خاندانی زندگی کرتی ہے۔

پاکستان کا خاندانی نظام:

پاکستان کے خاندانی نظام کی اساس ہمارے دین اور تاریخی و ثقافتی ورثہ پر رکھی گئی ہے، ہمارے خاندانی نظام کی ساخت میں بہت سے عوامل کار فرما ہیں، جس میں علاقائی، معاشی، تہذیبی و تمدنی اور تاریخی روایات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے اسباب و محرکات ایسے بھی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خاندانی نظام کی ساخت اور وظائف پر اثر ڈالتے ہیں اور اس خاندانی ادارہ میں تغیر ہو رہا ہے،

بلحاظ ساخت پاکستان کا خاندانی نظام:

بلحاظ ساخت پاکستان میں دو اقسام کے خاندانی نظام موجود ہیں

1۔ مشترکہ خاندانی نام　　2۔ جداگانہ خاندانی نظام یا سادہ خاندان

مشترکہ خاندان:

مشترکہ خاندان کی بھی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم:

اس میں ماں باپ اور بچوں کے علاوہ ان کے قریبی رشتہ دار جن میں دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی ساتھ رہتے ہیں، یہ خاندان دراصل دو خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے، جس میں والدین اپنے بچوں کی شادیاں کرنے کے بعد ان کے ساتھ رہتے ہیں، اسی طرح اگر شوہر شادی کے بعد اپنی بیوی کے ہمراہ سسرال میں رہے تو یہ بھی مشترکہ خاندان کہلاتا ہے، پاکستان میں یہ خاندانی نظام کثرت دیہاتوں میں نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دیہاتوں کی معیشت کا زیادہ تر انحصار زرعی پیداوار پر ہے، اس لیے وہاں مشترکہ خاندانی نظام پایا جاتا ہے۔

دوسری قسم:

اس قسم کے خاندان میاں بیوی، والدین اور بچوں پر مشتمل ہوتے ہیں، عمومی طور پر ایسے خاندانوں کی تعداو پاکستان میں زیادہ ہے۔

2۔جداگانہ خاندانی نظام:

جداگانہ خاندانی نظام میں خاندان میں والدین شامل نہیں ہوتے، صرف میاں بیوی اور ان کے بچے ہی خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔[1]

1۔باز محمد، اسلامی معاشرتی نظام اور خاندان، (ایکٹا اسلامیکا، 2018ء)، ش:1، ج:6/ 61

فصل دوم

پاکستانی معاشرہ اور خاندان میں عورت کا کردار

فصل دوم:

پاکستانی معاشرہ اور خاندان میں عورت کا کردار

کسی بھی معاشرے اور خاندانی نظام کے قیام میں عورت کے کردار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، میاں اور بیوی دونوں کا اپنا اپنا دائرہ عمل ہوتا ہے اپنے اپنے فرائض ہوتے ہیں جن کی احسن انداز سے ادائیگی خاندان کو استحکام بخشتی ہے۔ گھر کو گھر بنانے کے لیے مادی وسائل جہاں مرد مہیا کرتا ہے وہیں اپنی ذمہ داریوں کی بطریق احسن ادائیگی سے اسے پائیداری بھی فراہم کرتا ہے۔ جبکہ عورت کا وجود اس گھر میں تزئین وارائش کا سامان مہیا کرتا ہے۔ مرد اگر خاندان کے لیے معاشی اور معاشرتی تحفظ فراہم کرتا ہے، عزت کی چھت اور چار دیواری مہیا کرتا ہے تو عورت اس مکان کو اپنے وجود سے اپنی توجہ، لگن، محبت، خلوص، ایثار، وفاشعاری، جانثاری اور محنت سے گھر بناتی ہے۔ وہ اپنی فہم و فراست اور حکمت سے خاندان کی اکائیوں کو اپس میں جوڑے رکھتی ہے۔ انہیں محبت کے دھاگے میں پروئے رکھتی ہے۔ انہیں منتشر نہیں ہونے دیتی۔ عورت کا وجود خاندان کو باطنی استحکام فراہم کرتا ہے۔

اگر معاشرہ عورتوں کو اخلاقی تربیت کے نمونوں میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورت اپنے شایان شان مقام و منزل پر پہنچ گئی ہے، اگر معاشرے میں عورت علم و معرفت اور روحانی واخلاقی کمالات پر فائز ہو جائے جو اللہ تعالی اور ادیان الہی نے تمام انسانوں، بشمول مرد و زن، کے لئے یکساں طور پر معین کئے ہیں تو بچوں کی بہتر تربیت ممکن ہو سکے گی، گھر کی فضا زیادہ پاکیزہ اور محبت آمیز ہو جائے گی، معاشرہ زیادہ ترقی کر سکے گا، زندگی کی مشکلات زیادہ آسانی سے برطرف ہوں گی۔ یعنی مرد اور عورت دونوں خوش بخت ہو جائیں گے۔ مقصد عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں صف آرا کرنا نہیں ہے، مقصد عورتوں اور مردوں کی معاندانہ رقابت نہیں ہے۔ ہدف یہ ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں اسی عمل کو دہرا سکیں جس کو انجام دے کر مرد ایک عظیم انسان میں تبدیل ہو جاتے ہیں، انتہائی اہم چیزوں میں ایک، گھر کے اندر کے فرائض یعنی شوہر اور بچوں سے برتاؤ کی نوعیت کے تعلق سے عورتوں کو صحیح طریقوں سے آگاہ کرنا ہے۔ ایسی عورتیں بھی ہیں جو بہت اچھی ہیں، ان میں صبر و تحمل، حلم و بردباری، درگزر اور رواداری کا جذبہ اور اچھا اخلاق پایا جاتا ہے لیکن وہ بچوں اور شوہر کے سلسلے میں اپنا رویہ درست نہیں کرتیں، یہ رویہ اور روش باقاعدہ ایک علم ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں جو انسانی تجربات کے ساتھ روز بروز بہتر ہوئی ہیں اور آج اچھی صورت حال میں موجود ہیں۔

بعض لوگ ہیں جن کے پاس بڑے گرانقدر تجربات ہیں، کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جانا چاہئے جس سے یہ عورتیں گھر کے اندر رہتے ہوئے ان روشوں اور طریقوں سے آگاہ ہو سکیں اور رہنمائی حاصل کر سکیں۔ [1]

خاندان میں عورت کی اہمیت:

خاندان کی تشکیل تو در حقیقت عورت ہی کرتی اور وہی اسے چلاتی ہے۔ کنبے کی تشکیل کا بنیادی عنصر عورت ہے، مرد نہیں۔ مرد کے بغیر ممکن ہے کہ کوئی کنبہ موجود ہو۔ کوئی خاندان ایسا ہے جس میں مرد موجود نہیں ہے، دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو گھر کی عورت اگر سمجھدار اور سلیقے مند ہے تو خاندان کو (بکھرنے سے) بچائے رکھے گی۔

لیکن اگر خاندان میں عورت نہ ہو تو مرد خاندان کو محفوظ نہیں رکھ سکتا، معلوم ہوا کنبے اور خاندان کی حفاظت عورت کرتی ہے۔ بحیثیت مسلم معاشرہ خاندان کے اندر عورت کے کردار کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت نے خاندان کے فریضے کو سنبھال لیا اور اس میں دلچسپی دکھائی، بچوں کی تربیت و پرورش کو اہمیت دی، اپنے بچوں کا خیال رکھا، انہیں دودھ پلایا، انہیں اپنی آغوش میں پالا، ان کے لئے ثقافتی ورثہ فراہم کیا یعنی اسلامی قصے، احکام اور رہنما واقعات سنائے اور فرصت کے وقت میں جسمانی ضرورت کی غذا کی مانند ان چیزوں کا ذائقہ بھی چکھایا تو اس معاشرے کی انسانی نسلیں باشعور اور قابل افتخار ہوں گی۔ یہ عورت کا فن ہے اور یہ تعلیم حاصل کرنے، تعلیم دینے، گھر سے باہر کام کرنے اور سیاست کے میدان میں سرگرم عمل ہونے اور ایسے دیگر امور کی راہ میں حائل بھی نہیں ہے۔ تمام سماجی منصوبوں اور پروگراموں میں خاندان اور کنبے کو معیار اور اساس بنانا چاہئے، ماں کا مسئلہ، بیوی کا مسئلہ، گھر اور خاندان کا مسئلہ بہت ہی اہم اور حیاتی نوعیت کا ہے، یعنی اگر کوئی عورت بہت بڑی ماہر ڈاکٹر بن جائے یا کسی اور شعبے میں مہارت حاصل کر لے لیکن گھر کے فرائض سے عہدہ برا نہ ہو سکے تو یہ اس کے لئے ایک نقص اور کمی ہے۔ گھر کی مالکہ کا وجود ضروری ہے، بلکہ محور یہی ہے بلاشبہ عورت شہد کی رانی مکھی کا درجہ رکھتی ہے۔ [2]

عورت گھر کا چین و سکون:

انسان کو جن چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے ان میں ایک سکون و چین ہے۔ انسان کی خوش بختی اس میں مضمر ہے کہ ذہنی تلاطم اور اضطراب سے محفوظ و مطمئن رہے۔ انسان کو یہ نعمت کنبے اور خاندان سے ملتی ہے، عورت کو بھی اور مرد کو بھی، کیونکہ مرد اور عورت ایک جوڑے کی صورت میں تخلیق کیے گئے ہیں لہذا ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

1۔ القرضاوی، یوسف، فطری تربیت کے اہم تقاضے، (اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور)، ص:297

2۔ ایضا، ص:299

سب کی حقیقت وماہیت ایک ہے، سب ایک ہی حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں، سب کا جوہر اور سب کی حقیقت ایک ہے، البتہ بعض خصوصیات کے لحاظ سے کچھ فرق ضرور ہے چنانچہ ان کے فرائض بھی الگ الگ ہیں، انسانوں میں دو صنفیں ایک عظیم ہدف کے لئے قرار دی گئی ہیں، وہ ہدف ہے سکون وطمانیت۔ عورتیں (اور مرد) گھر کے اندر اپنی اپنی مخالف صنف کے ساتھ، مرد عورت کے ساتھ اور عورت مرد کی معیت میں طمانیت حاصل کرے، گھر میں داخل ہونے پر داخلی فضا پر محیط سکون وچین، مہربان، محبتی اور امانتدار عورت پر نظر پڑنا مرد کے لئے باعث سکون وطمانیت ہوتا ہے۔

عورت کے لئے بھی ایسے مرد اور ایسے سہارے کا وجود، جو اس سے محبت کرے اور اس کے لئے کسی مستحکم قلعے کی مانند ہو، خوش بختی کی علامت اور اس کے لئے باعث سکون واطمینان اور موجب خوش بختی وسعادت ہے۔ خاندان دونوں کو یہ نعمت عطا کرتا ہے۔ مرد کو قلبی سکون کے لئے گھر کی فضا میں بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو سکون وچین کے لئے گھر میں مرد کی احتیاج ہوتی ہے۔[1]

عورتوں کا فطری اثر ونفوذ:

کچھ استثنائیات سے قطع نظر عموماً شوہروں پر بیویوں کا خاص اثر ونفوذ ہوتا ہے، البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر پر حاوی ہے تب کہا جائے کہ اسے بڑا اثر ونفوذ حاصل ہے، نہیں بات خداداد فطری اثر ونفوذ کی ہو رہی ہے، کسی بھی میدان یا مشکل حالات میں عورت اپنی روشوں اور خصائص کے ذریعے جو اس کے مزاج اور اس کی فطرت میں ودیعت کر دیے ہیں، مرد پر غلبہ حاصل کر لے گی، یہ قدرت کی ایک پرکشش حقیقت اور خلقت کا ایک حسین راز ہے۔ میدان عمل میں موجودگی کے سلسلے میں اپنی پچاس فیصدی کی شراکت کے علاوہ عورتیں دوسرے پچاس فیصدی میں بھی جو مردوں سے متعلق ہے موثر ثابت ہوتی ہیں (یعنی اپنے ساتھ مردوں کو بھی میدان عمل میں لانے میں موثر کردار ادا کرتی ہیں)۔

پاکستانی خاندانی نظام میں مرد اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ اس کے بیوی بچے گھر میں رہیں اور وہ خود باہر کی ذمہ داری سنبھالے۔ مثلاً ہم لوگ جو ایک زمانے میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے، یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو میدان جنگ میں لے جائیں۔ ہم یہی کہتے تھے کہ " آپ لوگ یہیں رہیں، ہم خود جا کر یہ محاذ سنبھالیں گے " لیکن جب عورت میدان جنگ میں جاتی ہے تو وہ اپنے شوہر کو بھی ساتھ لے جاتی ہے اور اسے آگے بھیجتی ہے، ایک ایسی ہستی کا نام ہے عورت۔

1۔ القرضاوی، یوسف، فطری تربیت کے اہم تقاضے، ص:299

یہ شخصیت، یہ ذاتی اثر و نفوذ، میدان جنگ میں یہ درخشاں کارکردگی، ماضی و حال اور مستقبل میں جدوجہد کے لئے ہمیشہ قائم و دائم رہنا چاہئے۔ (1)

عورت مہر و محبت کا گہوارا:

خاندان کے تناظر میں مرد اور عورت کی پاکیزہ فطرت ایسی ہے جو دونوں کے درمیان ایک خاص وابستگی اور لگاؤ پیدا کر دیتی ہے، عشق و الفت کا رابطہ برقرار کر دیتی ہے "مودة ورحمة"۔مرد اور عورت کا صحیح اور منطقی رابطہ عشق و الفت کا رابطہ ہے، دوستی و محبت کا رابطہ ہے، مہربانی اور ہمدردی کا رابطہ ہے، وہ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کے گرویدہ رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر نثار ہوں۔خاندان تو وہ مرکز ہے جہاں الفتوں اور جذبات کو پروان چڑھنا چاہئے، بچوں کو ممتا اور شفقت ملنی چاہئے۔ خاص مردانہ مزاج کے باعث زوجہ کے سلسلے میں مرد کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ بعض چیزوں کے سلسلے میں اس کا دل بہت جلدی ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے موقع پر اس کے زخموں کا مرہم صرف اور صرف زوجہ کی نوازش اور محبت ہوتی ہے، ایسے میں ماں کی شفقت بھی کافی نہیں ہوتی۔ ایک جوان مرد کے لئے زوجہ وہ کام کرتی ہے جو ماں ایک چھوٹے بچے کے لئے انجام دیتی ہے۔ ظریف اور لطیف مزاج رکھنے والی خواتین اس حقیقت سے آگاہ بھی ہیں، اگر گھر میں اس مرکزی نقطے یعنی گھر کی مالکہ کے تعلق سے یہ جذبات و احساسات نہ ہوں تو اس کنبے کا کچھ مفہوم نہ ہو گا وہ روح سے خالی جسم کی مانند ہو گا۔ اسی لیے پاکستانی خاندانی نظام مغربی خاندانی نظام کی نسبت زیادہ خوشحال اور باعث سکون ہوتا ہے۔ (2)

فرائض کی تقسیم:

مرد اور عورت دونوں کے مزاج کی کچھ الگ الگ خصوصیات ہیں۔گھر کے اندر عورت سے یہ توقع نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ مردوں کے انداز میں کام کرے، اسی طرح کوئی مرد سے عورتوں کے برتاؤ اور اسلوب کی توقع نہ رکھے۔دونوں کے مزاج اور فطرت کے الگ الگ تقاضے ہیں اور انسان، معاشرے، مرد اور عورت کے سماجی نظام کی مصلحت اسی میں ہے کہ گھروں کے اندر مرد اور عورت کے مزاج اور ان کے فطری تقاضوں کا مکمل طور پر لحاظ کیا جائے۔ اگر اس کا خیال رکھا گیا تو دونوں کی خوشبختی و کامیابی کی راہ ہموار ہو گی۔ کسی کو بھی دوسرے کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کرنے کا حق نہیں ہے، بعض مردوں کی سوچ یہ ہے کہ عورت کو ان کے سارے کام انجام دینے ہیں۔ ویسے گھر کے اندر جہاں میاں بیوی کے درمیان گہرا محبت و الفت کا رشتہ ہے، دونوں ایک دوسرے کے کام بڑے شوق اور رغبت سے انجام دیتے ہیں، لیکن رغبت اور دلچسپی سے کوئی کام انجام دینا اور بات ہے اور اگر کوئی شخص

1۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، (فاران فاؤنڈیشن، لاہور)، ص:82

2۔ ایضا

یہ سمجھتا ہے یا اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ عورت ایک خادمہ کی طرح مرد کی خدمت کرے اور اسے اپنا فرض سمجھے تو یہ ایک الگ بات ہے، کیونکہ عورت گھر کی ملکہ ہے لہٰذا عورت بحیثیت گھر کی ملکہ اپنے فرائض کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

عورت کی اولین ترجیح گھر کا فریضہ:

بعض عورتیں ملازمت کے سلسلے میں گھر کے باہر رہتی ہیں، آپریشن کرتی ہیں، اپنے مریضوں کو بھی دیکھتی ہیں، کسی علمی تحقیق میں بھی مصروف ہیں، کوئی پروجیکٹ تیار کر رہی ہیں، کسی یونیورسٹی میں لیکچر بھی دے رہی ہیں، یہ ساری سرگرمیاں اپنی جگہ بالکل درست ہیں لیکن گھر کے فرائض بھی نظر انداز نہیں کئے جانے چاہئے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ گھر کے کاموں کی کیفیت کو مقدار پر ترجیح دی جائے، یعنی اس کی مقدار کو کچھ کم کر دیا جائے۔ عورت کی چوبیس گھنٹہ گھر میں موجودگی کی بات الگ ہے۔ اگر ان چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ گھنٹے کم ہو گئے ہیں لیکن (گھر کے اندر فرائض کی انجام دہی کی) کیفیت اعلیٰ درجے کی ہے تو یہ ایک الگ صورت حال ہو گی، اگر آپ کے اس (باہر کے) کام سے اس مسئلے (یعنی گھر کے فرائض) پر منفی اثر پڑ رہا ہے تو آپ کو اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہو گا۔ یہ بہت اہم اور بنیادی چیز ہے، سوائے کچھ ہنگامی صورتوں کے، تمام کاموں میں کچھ ایسی ہنگامی صورتیں ہوتی ہیں جو قاعدے اور ضابطے سے مستثنیٰ رکھی جاتی ہیں، عورتوں کا سب سے بڑا کام بچوں کی تربیت اور اہم میدانوں میں اترنے اور اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کے لئے شوہروں کی ہمت بندھانا اور حوصلہ افزائی کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا۔[1]

بچوں کی تربیت، عورت کا کردار:

گھر اور کنبے کے اندر عورتوں کی ایک بڑی ذمہ داری بچوں کی تربیت کرنا ہے، جو کہ ایک اہم فریضہ ہے، ایک عورت بحیثیت ماں اس فرض کی ادائیگی میں اپنا کردار ادا کرتی ہے جو عورتیں گھر کے باہر کی اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے ماں بننے سے گریز کرتی ہیں وہ درحقیقت انسانی فطرت اور اپنے نسوانی مزاج کے خلاف کام کر رہی ہیں اور ان کا یہ عمل استحکام خاندان پر اثر انداز ہوتا ہے، جو خواتین اپنے بچوں، ان کی تربیت، انہیں دودھ پلانے اور انہیں اپنی آغوش میں لینے اور پرورش کر کے انہیں پروان چڑھانے جیسے کاموں کو بعض ایسے امور کی وجہ سے ترک کر دیتی ہیں جن کی انجام دہی کا انحصار ان کی ذات پر نہیں ہے، وہ بہت بڑی غلطی کر رہی ہیں۔ بچوں کی پرورش کی بہترین روش یہ ہے کہ ان کی پرورش ماں کی آغوش میں اس کی مہر و الفت اور ممتا کی چھاؤں میں ہو۔

1۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، ص:87

جو خواتین اپنے بچوں کو اس خداداد نعمت سے محروم کر دیتی ہیں، ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہورہی ہے۔ ان کا یہ عمل ان کے بچوں کے لئے بھی نقصان دہ ہے، خود ان کے اپنے لئے بھی ضرر رساں ہے اور معاشرے کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، عورت کا ایک اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ بچوں کو اپنے جذبات کی گرمی سے، اپنی صحیح تربیت سے اور اپنی پوری توجہ اور دلجمعی کے ذریعے ایسا بنائیں کہ یہ بچہ جب بڑا ہو تو ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے ایک صحتمند انسان ہو، احساس کمتری سے دوچار نہ ہو، نفسیاتی پیچیدگیوں میں گرفتار نہ ہو، اس ذلت وبدبختی اور بے شمار مصیبتوں سے محفوظ رہے جن سے مغرب میں یورپ اور امریکا کی نوجوان نسلیں دوچار ہیں۔[1]

مغربی ممالک میں خواتین چونکہ گھر اور بچوں کی تربیت پر توجہ نہیں دیتیں اس لئے ان مغربی معاشروں کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ یورپی اور امریکی ممالک میں دس سال بارہ سال عمر کے بچے سے بدعنوانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چور بن چکے ہوتے ہیں، قاتل بن چکے ہوتے ہیں، اسمگلر بن چکے ہیں، نشہ کی لت میں پڑے ہوئے ہیں، سگریٹ پیتے ہیں، حشیش استعمال کرتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ مغربی عورت نے خاندان اور کنبے کی اہمیت کو نہیں پہچانا، اس کی قدر نہیں کی۔

خاندانی نظام کے استحکام میں عورت کا یہ مرکزی کردار ہی ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے رکھ دی[2] اور بحیثیت ماں اسے مرد جو کہ باپ ہے اس پر تین گنا فضیلت اور درجات عطا کیے[3] عورت کا رویہ اپنی اولاد کے ساتھ حقوق و فرائض سے بڑھ کر احسان کا ہوتا ہے۔ اس کی تربیت ہی کی بدولت صالح امت اور معمار قوم پیدا ہوتے ہیں اسی لیے اسے عورت کے جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔[4]

مرد خاندان کے لیے ایک مضبوط اور مہربان سائبان کی مانند ہوتا ہے لیکن عورت ایک ایسا رفیق حیات ثابت ہوتی ہے جو اس سائبان کے لیے سہارے کا کام دیتی ہے اسے نامساعد حالات میں کمزور نہیں پڑنے دیتی اس کی ہمت بندھاتی ہے اور مسائل اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسے ہمت، طاقت، اعتماد اور حوصلہ دیتی ہے۔ اسی لیے تو مقولہ عام ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے ذمہ عظیم مشن تھا جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ آپ کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا لیکن ان حالات میں حضرت خدیجہؓ ہی تھیں کہ جنہوں

1۔ نسائی، ابوعبدالرحمن، سنن نسائی، (مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، 1986ء) کتاب الجہاد، باب الرخصۃ، ح:3106

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، ح:3971

3۔ احمد بن عمرو، البحر الزخار، (مکتبہ العلوم والحکم، المدینہ المنورۃ، 2009)، ص:207

4۔ مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، (المکتبۃ السلفیہ، لاہور)، ص:99

نے ایک مہربان رفیق کی طرح اپنی محبت، توجہ، لگن اور وفاشعاری سے آپ ﷺ کی دلجوئی کی اور آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالی آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔[1]

حضرت خدیجہؓ کی یہی ہمدردی، دلسوزی اور جاں نثاری تھی کہ حضور ﷺ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔[2] ان کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ اکثر انہیں یاد کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی ازدواجی زندگی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا ان کے اسی کردار کے باعث نبی کریم ﷺ سے جب کہا گیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا آپ کے لئے ایک سن رسیدہ زوجہ کے علاوہ کچھ نہ تھیں تو اپ ﷺ اس بات پر ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے کبھی بھی ایسی زوجہ عطا نہیں کی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا نعم البدل بن سکے۔ کیونکہ انہوں نے میری تصدیق کی جبکہ کسی نے میری تصدیق نہیں کی، انہوں نے میری مدد کی ایسے حال میں جب کسی اور نے میری مدد نہیں کی، اپنے مال سے میری امداد کی جب کہ دوسرے اپنا مال دینے سے انکاری تھے۔[3]

نبی محترم ﷺ کے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان جذبات وخیالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عائلی زندگی میں آپ کے ایثار وخلوص، وفاواحسان کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یعنی ایک خاندان کو نامساعد حالات میں بہتر انداز میں چلانے اور اس کا استحکام برقرار رکھنے کے لئے جن جذباتی ومالی سہاروں کی فوری ضرورت ہوتی ہے وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فوری طور پر اختیار کئے۔ اگر آپ اس وقت یہ رویہ اختیار نہ کرتیں تو نبی کریم ﷺ اعلان نبوت کے بعد اتنے نامساعد حالات کے لئے تیار نہ ہوتے۔ مرد ہمہ وقت گھر پر نہیں رہ سکتا کسب معاش کے لیے اسے گھر سے باہر جانا پڑتا ہے۔ بعض اوقات کئی دنوں کے لیے اور کبھی کبھادیار غیر میں سالوں تک خاک چھاننا پڑتی ہے۔ ایسے میں گھر کی حفاظت، شوہر کے مال کی حفاظت، اپنی عزت وابرو کی حفاظت، بچوں کی پرورش ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں عورت ہی ادا کرتی ہے۔

1۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ، باب فضائل خدیجہ، ح:1324

2۔ عبد اللہ بن محمد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (دار الجیل، بیروت)، 4/1824

3۔ زرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح المواہب الدنیہ، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996)، 3/26

کبھی کبھار زوجین کے اختلافات کی وجہ سے ماحول کشیدہ اور کثیف بھی ہو جاتا ہے ایسی صورتحال مرد کے لیے ذہنی اضطراب کا باعث بنتی ہے اور وہ اپنے معمولات تندہی سے انجام نہیں دے پاتا ایسی صورتحال میں عورت کے لیے ازواج مطہرات کا اسوہ مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے۔[1]

1۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز ھبتہا نوبتھا لضرتھا، ح:1436

فصل سوم

پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے مسائل

فصل سوم:

پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے مسائل

قرون اولی میں زندگی سادہ اور محدود تھی، اس لیے مسائل بھی کم تھے، تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ مسائل میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا، مسائل کل بھی تھے، مسائل آج بھی ہیں اور مسائل آئندہ بھی رہیں گے، مسائل زندگی کے ساتھ ہیں، انسان اور مسائل لازم و ملزوم ہیں، ہمارا مقصود مسائل کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا حل بھی تلاش کرنا ہے، اور حل اس وقت ہو گا جب صحیح حکمت عملی اختیار کی جائیگی، یہ حالت اس وقت تبدیل ہو گی جب صحیح حکمت عملی اختیار کی جائے گی، لہذا عصر حاضر میں خاندانی نظام کے بگاڑ میں جو اسباب پیش پیش ہیں ان کو یہاں کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

- حسن سلوک کا فقدان۔
- جہیز کے مسئلہ میں افراط و تفریط۔
- غیر اسلامی رسم ورواج کی پیروی۔
- مہر کے تعین میں افراط و تفریط و فرائض کی ادائیگی میں عدم توجہی۔
- قوامیت کا غیر مناسب استعمال۔
- ذات وبرادری میں شادی کا مسئلہ۔
- تربیت اولاد اور نگہداشت بزرگان کا فقدان۔
- خاندانی ہم آہنگی کا خاتمہ۔
- نان ونفقہ سے متعلق مسائل۔
- اخلاقیات کا خاتمہ اور رذائل اخلاق کا فروغ۔

تعدد ازواج اور خاندانی مسائل۔[1]

1۔ حسن سلوک کا فقدان:

ہمارے خاندانی نظام میں حسن سلوک کا فقدان نظر آتا ہے، میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک عائلی زندگی کو سکون و اطمینان بنانے کا ذریعہ ہے، عصر حاضر میں حسن معاشرت میں کمی ہوتی جارہی ہے، معمولی غلطی پر ہاتھ جلا دینا۔

1۔ سیدہ سعدیہ، پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، ص:11

کہیں اعضاء کاکاٹ دینا، تیزاب سے زندہ وجود کو جلادینا یہ سب کچھ امت مسلمہ کے لیے پریشان کن ہیں۔

2۔ جہیز کے مسئلہ میں افراط و تفریط:

عصری خاندانی مسائل میں ایک مسئلہ جہیز کا بھی ہے۔ کچھ لوگوں نے جہیز کو شادی کا بنیادی حصہ قرار دے رکھا ہے۔ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر بہت زیادہ سامان دیتے ہیں، بعض والدین زیادہ جہیز دینے کے بعد بیٹی کو حق جائیداد سے محروم کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس کی خرابیوں کی وجہ سے اس کو حرام قرار دیا ہے، یہ دونوں چیزیں افراط و تفریط پر مبنی ہیں، اگر جہیز کی شرط سسرال کی طرف سے ہے تو بہت ہی بری ہے، کیونکہ حدیث و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اگر لڑکی کو وراثت سے محروم کر کے دیا جائے تو یہ حدود اللہ کا تجاوز ہے۔ (1)

3۔ غیر اسلامی رسم ورواج کی پیروی:

شادی کے موقع پر غیر اسلامی رسم ورواج کی پیروی کرنا فرض عین سمجھا جاتا ہے۔ لڑکے والوں کا بہت سی رقم خرچ کر کے وری بنانا۔ اور بہت بڑی بارات لڑکی والوں کے گھر پر لے کر جانا۔ (2)

4۔ مہر کے تعین میں افراط و تفریط:

پاکستانی خاندانی مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زیادہ مہر ازدواجی زندگی کی مضبوطی عطا کرے گا، لاکھوں روپے مہر لکھواتے ہیں، کچھ لوگ 500 روپے کچھ پیسے پر ہی اکتفا کرتے ہیں، اور اس کو شرعی مہر سمجھتے ہیں، یہ چیز شریعت سے ثابت نہیں ہوتی، اکثر لڑکی والوں کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی رقم کا مہر باندھیں، اس بات پر ضد کی جاتی ہے کبھی تو اس پر رشتے ٹوٹ جاتے ہیں حالانکہ بھاری مہروں نے نہ کبھی ٹوٹتے نکاحوں کو بچایا ہے اور نہ پھلنے پھولنے والے نکاحوں کو کم مہروں نے بچایا ہے، دوسری طرف لڑکے والے جو اسی سودابازی کو کم از کم قیمت پر بات کو لانے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے معاشرے میں منگنی کے موقع پر بہت زیادہ خرچ کرنے اور حق مہر دینے میں سستی کا مظاہرہ کرنے کا رواج ہے۔ یہ بعض اوقات نیت نہیں ہوتی اور صرف دکھاوے کے لیے ایسا ہوتا ہے۔ مہر نکاح نامے میں بھی زیادہ لکھوا دیا جاتا ہے لیکن ادا نہیں کیا جاتا، جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق شوہر کو اس کی استطاعت کے مطابق اسے ادا کرنا چاہیے۔ (3)

1۔ سیدہ سعدیہ، پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، ص:11

2۔ خلیلی، منیر احمد، خاندانی نظام، (حسن البناء، اکیڈمی، راولپنڈی، 2007)، ص:86

3۔ ایضا

5۔ فرائض کی ادائیگی میں عدم توجہی:

معاصر خاندانی مسائل میں ایک مسئلہ فرائض کو صحیح طریقے سے ادانہ کرنا ہے۔ خاندانی زندگی کی بنیاد میاں بیوی رکھتے ہیں اگر وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض اچھے طریقے سے ادا کرتے رہتے ہیں تو گھر کا ماحول بھی اچھا رہتا ہے اور بچے بہتر ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ خصوصاً عورت پر گھریلو امور کی ذمہ داری ہے۔ بچوں کی پیدائش و پرورش و تربیت اور شوہر کو سکون مہیا کرنا وغیرہ اور جب عورت نے ملازمت بھی اختیار کر لی تبنیادی فرائض نظر انداز ہوئے۔[1]

6۔ قوامیت کا غیر مناسب استعمال:

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو انتظامی لحاظ سے قوام بنایا ہے مگر اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ نگہبان ہے حکمران نہیں اور وہ اپنے اس منصب کا استعمال ان حدود و قیود میں کرے جو اسلام نے اس کے لیے مقرر کی ہیں اگر وہ ان حدود سے تجاوز کرے گا تو خاندانی نظام میں خلل آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عائلی نظام کی استواری اور پختگی کے لیے مرد کو قوامیت کا درجہ عطا کیا ہے۔ مگر مرد اس منصب قوامیت کا نامناسب استعمال کرتے ہیں۔ وہ عورت کو باندی اور نوکرانی سمجھتے ہیں۔ مرد عورت کو اس کے دائرہ کار سے بلاضرورت باہر نکالتے اور عورت کے دائرہ کار کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، عورت کے گھریلو امور کو فارغ رہنا خیال کرتے ہیں، مرد اپنی قوامیت کا احسان عورت پر اور اسے کنیز تصور کرتے عورت کی تخلیق چونکہ مرد کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے جو کہ دل کے پاس ہے لہذا مرد کو بھی عورت کی دل سے قدر کرنی چاہیے۔[2]

7۔ ذات وبرادری میں شادی کا مسئلہ:

خاندانی مسائل میں ایک اور مسئلہ اپنی ذات و برادری میں شادی کرنا ہے۔ ہر برادری اپنے آپ کو دوسری برادری سے بہتر سمجھتی ہے اور بعض اوقات اچھے رشتوں کے انتظار میں ساری عمر گزر جاتی ہے ذات و برادری میں اگرچہ شادی کرنا معیوب نہیں ہے مگر بعض اوقات ذات برادری میں شادی کے انتظار میں لڑکی کی عمر نکل جاتی ہے۔[3]

1۔ محمد امین، اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص:246

2۔ ایضا

3۔ نعیم صدیقی، عورت معرض کشمکش میں، (الفیصل پبلیشرز، لاہور)، ص:72

8۔تربیت اولاد اور نگہداشت بزرگان کا فقدان:

آج کے دور میں جداگانہ خاندانی نظام میں بزرگوں خصوصاوالدین کے ساتھ حسن سلوک کا جذبہ عنقاہو گیا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں بزرگوں کی کفالت سب مل کر کرتے ہیں، جداگانہ خاندانی نظام میں کوئی مستقل ان کی ذمہ داری کوئی قبول نہیں کرتا بلکہ ایک دوسرے پر ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں خصوصا اولاد کی تربیت اور بزرگوں کی نگہداشت متاثر ہوتی ہے۔

9۔خاندانی ہم آہنگی کا خاتمہ:

خاندانی ہم آہنگی یہ ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات مضبوط ہوں، معاشرتی استحکام کی بنیاد خاندانی ہم آہنگی ہے، جس معاشرے میں خاندانی نظام میں عورت اور مرد کے تعلقات پر کوئی پابندی نہ ہو، بچے خاندان کا لازمی جزو نہ ہوں معاشرہ جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ خاندانی ہم آہنگی فرد کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔ دور حاضر کے معاشرتی انتشار کا سبب خاندانی بد نظمی ہے، جنسی تعلقات میں غیر ذمہ داری، طلاق کی کثرت، اسلام نے خاندانی ہم آہنگی کے لیے عورت کا گھر رہنا پسند کیا ہے تاکہ گھر میں رہ کر اپنے خاوند اور گھر کے افراد کو سمجھ سکے۔

10۔نان ونفقہ سے متعلق مسائل:

عصر حاضر میں شوہروں میں یہ رجحان فروغ پا رہا ہے کہ نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر فرض سمجھ کر ادا نہیں کرتے نہیں عورت پر بوجھ اور احسان سمجھ کر خرچ کرتے ہیں، بعض مرد شادی کے بعد اس فکر سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، کہ وہ گھر کے معاشی سربراہ ہیں، مجبورا عورت کو ذرائع معاش کی تگ و دو کرنی پڑتی ہے، بعض مرد، عورت کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں کرتے، موجودہ دور کے خاندانی مسائل میں نان و نفقہ کے مسائل بھی زوجین کے مسائل بھی باعث نزاع ہیں۔ اسلام نے اگرچہ عورت کی یہ ذمہ داری مرد کے سپرد کی ہے اسی وجہ سے اسے قوام کا درجہ دیا گیا ہے اگر وہ اسے ارادتا نہیں کرتا تو اسے اللہ کے ہاں جوابدہ ہونا پڑے گا لیکن بعض اوقات حالات ساتھ نہیں دیتے تو ایسی صورت میں اگر بیوی پڑھی لکھی ہے تو خاوند کی معاشی لحاظ سے معاونت کرے گی، تو ایسی صورت میں مرد کو اسکا ممنون ہونا چاہیے اور ایسی حالات میں جو لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں وہ نہیں ہوں گے۔[1]

11۔اخلاقیات کا خاتمہ اور رذائل اخلاق کا فروغ:

اخلاق، انسانیت کا زیور اور سماج کی زینت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت جسد زندگی میں قلب کی ہے جس کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں ایک جگہ رہتے ہوئے

1۔ نعیم صدیقی، عورت معرض کشمکش میں، ص:88

خواتین کا ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، غیبت، چغلی اور بغض سے گریز نہ کرنا جیسی بری عادات پائی جاتی ہیں۔ جس سے آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں جس کے پس نظر بچوں میں اخلاقیات کا خاتمہ ہوتا ہے رزائل اخلاق جیسی عادات فروغ پاتی ہیں جو کہ بہت سے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

12۔ تعدد ازواج اور خاندانی مسائل:

تعدد ازواج کے حوالے سے شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض صورتوں میں بالخصوص عملی حوالے سے مسلمانوں کے ہاں افراط و تفریط پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ انتہائی اضطراری اور جنگی حالات کے علاوہ تعدد ازواج کے قائل نہیں ہیں۔ جب کہ بعض اس سنت اور جواز کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں گویا دوسری شادی سنت ہی نہیں بلکہ فرض یا تاکیدی اعتبار سے فرض کے قریب ہے۔

عصر حاضر میں اگر ایک شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہیں اور وہ ان کے درمیان عدل و انصاف کا مظاہرہ نہیں کرتا تو ایسی چیز بیویوں کے درمیان حسد اور رقابت کے جذبات کو فروغ دے گی اور ایسی صورتحال ازدواجی زندگی کو سکون جیسی دولت سے محروم کر دے گی۔ [1]

1۔ علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، ص: 93

خلاصہ باب:

کسی بھی معاشرے کے قیام و استحکام میں خاندان بنیادی اکائی ہے اسلام میں خاندان کی بنیادی اکائی نکاح ہے تاکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کی بنیاد قائم ہو اسی طرح پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت حاصل ہے جہاں خاندان ہر فرد کی خوشی وسکون کا منبع ہے پاکستان کا خاندانی نظام خواہ وہ مشترکہ ہو یا جداگانہ، مرد اور عورت ہی گھر کے اندر پختہ تعلقات کے ضامن ہیں پاکستان کا خاندانی نظام افراد کا مجموعہ ہے جو ہر خوشی و غم میں ایک دوسرے کا معاون و سہارا ثابت ہوتا ہے۔ بحیثیت اسلامی معاشرہ خاندانی نظام میں اسلامی کلچر کو بہت اہمیت دی جاتی ہے جس میں مرد گھر کا سربراہ اور معاشی ضروریات کی فراہمی کا ضامن ہوتا ہے جبکہ عورت گھر کی ملکہ اور اور خاندان کے افراد کی دیکھ بھال کی ذمہ دار ہوتی ہے اسلام نے مرد اور عورت کے لیے الگ الگ دائرہ کار متعین کیا ہے تاکہ مرد و عورت اپنی اپنی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں اسی طرح گھر میں ایک خوشگوار ماحول بنتا ہے اس کے برعکس اگر مرد و عورت اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتیں تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں جس سے گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک معاشرہ بھی خاندانی نظام میں مسائل کا باعث بنتا ہے مثلا غیر ضروری رسم و رواج ،جہیز ،ذات وبرادری میں شادی جیسے ایشوز بھی مسائل کا باعث ہیں بہر کیف ایک عورت کی خاندان میں بہت اہمیت ہے عورت گھر کی ملکہ اور بچوں کی بہترین درسگاہ کا درجہ رکھتی ہے گویا عورت اپنے تمام مسائل میں صبر وشکر اور تحمل مزاجی سے گھر کا ماحول خوشگوار بنا سکتی ہے۔ گویا کہ گھر میں عورت کا مرکزی کردار ہے کہ وہ اپنی محبت اور توجہ سے گھریلو انتظام چلاتی ہے اور رشتوں کو جوڑ کر رکھتی ہے تاکہ خاندان اور اس کا گھر کسی قسم کے انتشار اور مسائل کا شکار نہ ہو اور بوقت ضرورت خانگی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنے شوہر کا ہاتھ بٹا کر اس کی ذمہ داریوں کو بانٹ لیتی ہے لیکن اپنے بنیادی فرائض سے غافل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر عورت اپنے فرائض سے منہ موڑلے تو نہ صرف عورت کا گھر بلکہ ایک خاندان متاثر ہوتا ہے لہذا عورت اپنے فرائض کو پورا کرتے ہوئے خاندان خصوصا اولاد کی تربیت کر کے ان کو معاشرے کا بہترین فرد بنا سکتی ہے اور گھر کو اہل خانہ کے لیے آرام اور سکون کا ٹھکانہ بنا سکتی ہے۔

باب سوم

تحریک حقوق نسواں کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات

فصل اول: تحریک حقوق نسواں اور خواتین کو ملنے والے حقوق و مطالبات

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے ملازمت پیشہ اور گھریلو خواتین پر اثرات

فصل سوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا شماریاتی جائزہ

فصل اول

تحریک حقوق نسواں اور خواتین کو ملنے والے حقوق و مطالبات

فصل اول:

تحریک حقوق نسواں اور خواتین کو ملنے والے حقوق و مطالبات

جس طرح خیر اور شر کی قوتیں دنیا میں ساتھ ساتھ پائی جاتی ہیں تنگی اور آسانی ایک دوسرے میں پیوست ہیں، نقصان اور فائدہ بھی ایک ہی راہ کے راہی ہیں، کبھی نقصان آگے بڑھ جاتا ہے تو کبھی فائدہ، جب کسی چیز کا فائدہ آگے بڑھنے لگتا ہے تو لوگوں کا ایمان اس روش پر پختہ ہونے لگتا ہے، جب نقصان فائدے سے آگے بڑھنے لگے تو لوگ متشکک ہو کر متذبذب ہو جاتے ہیں اور انتظار کی پالیسی اپنا لیتے ہیں اور ان کا ذہن شک اور ایمان کے درمیان ڈولنے لگتا ہے جب نقصان فائدے سے آگے بڑھ جائے تو لوگ اس راہ سے واپس لوٹنے لگتے ہیں اسی طرح تحریک برائے حقوق نسواں کا بھی معاملہ ہے جہاں اس تحریک کے بہت سے فوائد خواتین کو ملے وہیں اس تحریک کے ایسے مطالبات بھی سامنے آئے جس سے بہت سے نقصانات بھی ہوئے لہذا یہاں تحریک برائے حقوق نسواں کے پیش نظر خواتین کے حقوق اور مطالبات کا جائزہ لیا جائے گا۔

تحریک حقوق نسواں کے فائدوں نے عورتوں کو ایک لمبی مدت دوڑایا۔ خواتین نے دوڑنے میں بہت فائدہ پایا۔ ووٹ کا حق مل گیا، آزادی مل گئی نیشنلٹی مل گئی، معاشرے میں جداگانہ شناخت مل گئی، معاشی تقویت مل گئی لیکن کب تک؟ جب وہ دوڑ دوڑ کر تھک گئیں تو دیکھا کہ منزل اب بھی اتنی دور ہے جتنی ابتدا میں تھی، اب دوڑنے کا نقصان فائدے سے آگے بڑھنے لگا تو وہ ششدر رہو کر رک گئیں۔ دوڑنے کا صرف اتنا فائدہ ہوا تھا کہ نئے نقصان کی نوعیت سابقہ نقصان کی نوعیت سے مختلف تھی، لیکن نقصان کی شدت اتنی ہی سنگین تھی۔ بعضوں کے نزدیک اس کی سنگینی پہلے سے بڑھ کر تھی۔ قدامت پسند گروہ جو دوڑ کا حامی نہیں تھا۔ بعضوں کے نزدیک اس نقصان کی شدت پہلے سے کم تھی یہ جدت پسند گروہ تھا جو معاشرے میں جمود کے بعد حرکت کو بھی خیر مطلق کا نام دینے لگے خواہ اس حرکت سے فائدہ ہو یا نہ ہو۔ جنہوں نے حقوق کی جنگ کو معاشرے کے ارتقاء کے لئے ناگزیر۔ لیکن نقصان کو ہر گروہ نے محسوس کیا۔ نقصان محسوس کرنے کی کی بدولت یہ دوڑ کبھی اعتماد پر مبنی نہیں رہی بلکہ لڑکھڑاتی ہی رہی ہے۔ ان کی تحریروں کے عنوان بھی ان کے فائدے کے ساتھ ان کے نقصان کا آئینہ دار ہیں۔

Women of Pakistan Two step forward one step back. یعنی یہ عورتیں دو قدم آگے بڑھتی ہیں تو ایک قدم پیچھے لوٹ آتی ہیں۔ کیونکہ حقوق میں آگے بڑھنے کی صورت میں وہ بہت سے حقوق سے محروم ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح Women , Women united Women divided کے مطابق خواتین اپنے صنفی مفاد کے لیے اکٹھی ہوتی ہیں اور پھر (خاندانی مفاد کے لیے) بکھر جاتی ہیں۔ یعنی ان دو میں سے ہر فائدہ پہلے کی قیمت پر ہوتا ہے۔[1]

The Best of Times , the Worst of Times Feminism in the United States "

گھریلو ذمہ داری سے آزادی:

(Feminism) اگر ایک لحاظ سے عورتوں کی آزادی کے عروج کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف خاندانی زندگی میں مسائل کی وجہ بھی ہے۔ اگر ایک لحاظ سے بہترین ہے تو دوسرے لحاظ سے بدترین ہے۔ مغربی عورت نے اپنے جن مسائل کو حل کرنے کی خاطر آزادی نسواں کا نعرہ لگایا تھا اسی آزادی کے نتیجے میں اس کے لیے بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو عورت پہلے سے شوہر کی محکوم تھی اب اسے کسی کمپنی دفتر، کارخانے اور حکومت کا خادم و محکوم بھی بننا پڑا۔ جس پر اس سے پہلے صرف گھر سنبھالنے کا بوجھ تھا اور اسے وہ ناقابل برداشت سمجھتی تھی۔ اب اسے گھر کے بوجھ کے ساتھ ساتھ فکر معاش کا دوسرا بوجھ بھی اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اس مخلوط معاشرت کے ماحول میں عورت اپنی نسوانیت کھونے لگی۔ عورت کی نسوانیت میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ یہی قدرت کا قانون ہے اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب تر ہو گی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہو گی اس کے مصائب میں اضافہ ہو گا۔[2]

لیکن جدید فکر کی حامل عورتوں نے اس تصور کو فرسودہ قرار دیا۔ پھر جب عورت زندگی کی دوڑ میں مرد کے شانہ بشانہ حصہ لینے پر بضد ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو کسی بھی اعتبار سے مرد کے مقابلے میں کمتر نہ سمجھا اور وہ تمدنی فرائض کی ادائیگی کو آزادی اور نجات کا واحد راستہ تصور کرنے لگی تو پھر ظاہر ہے کہ وہ عورت اور صرف عورت بنے رہنے کے اصول کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آنکھ بند کر کے مردوں کے مشاغل میں شریک ہو گئی اور اس نے اسی چیز کو مقصد حیات ٹھہرا لیا لیکن یہ فطرت سے اجتناب عورتوں کو خوشی دینے سے محروم رہا اور عورتوں کی محرومیوں کی تلافی کی بجائے اس میں اضافے کا باعث بنا۔ ان عورتوں کو معاشرت کے اصل اصول یعنی فریضہ زوجیت سے سخت نفرت ہے قدرت نے جس غرض سے ان کو تخلیق کیا ہے اور جس کام کے لیے ان کو جسمانی اور دماغی اعضاء عطا کیے ہیں۔ انہوں نے اس کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ ان میں وہ طبی حلیہ اور جنسی امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا جو ان کی ہم عمر عورتوں میں فطرتاً موجود ہونا چاہیے۔

1.khawar Mumtaz,*Women of Pakistan Two step forward one step back*,P:120

2۔ محمد رفیق، اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زن، ص:122

ان کی حالت ایک ایسے درجے تک پہنچ گئی ہے جسے مالیخولیاسے تعبیر کرنا چاہیے۔ان کو نہ تومرد کہاجاسکتاہے اورنہ عورت، یہ ایک تیسری جنس کی شکل اختیار کرگئی ہے بن گئی ہیں۔انہیں عورت اس لیے نہیں کہاجاسکتا کہ ان کا عمل اوروظیفہ حیات فرائض نسوانی سے بالکل مختلف ہے۔اگر عورتوں کی یہ افسوسناک روش اسی طرح کچھ عرصہ تک قائم رہی تو سمجھ لیناچاہیے کہ عنقریب سوسائٹی میں ایک زبردست خلل پیداہونے والاہے جوتمدن اور معاشرت کی بنیادوں کوہلادے گا۔[1]

ازدواجی فرائض سے انکار:

عورت نے اپنے حقوق اور مساوات کے حصول کے لیے جوتحریک شروع کی تھی وہ اب جنسی آزادی خاندان کی تخریب، ازدواجی فرائض سے انکاراوراسی طرح کے دوسرے مطالبات کے دائرے میں گم ہوچکی ہے جدید عورت اب صرف یہ نہیں چاہتی کہ اسے کام کاحق مردوں کے مساوی مواقع اوراپنی زندگی کی آپ تعمیر کاحق حاصل ہوبلکہ اس کامطالبہ یہ ہے کہ وہ ہرطرح کے معاشرتی بندھن سے آزادہووہ جنسی انارکی بھی چاہتی ہے اورافزائش نسل کے عمل میں اپناتعاون دینے سے بھی انکار کرتی ہے۔حال ہی میں مختلف ممالک میں بعض سروے کیے گئے ہیں جن سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شادی اوربچے نہ پیدا کرنے کافیصلہ کرنے والی عورتوں کی تعداددن بدن بڑھ رہی ہے اورانداز ہ ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ہر تین میں سے ایک عورت بچے پیدا کرنے سے انکار کردے گی۔

ازدواجی ذمہ داریوں سے گریزاور جنسی خواہشات کی بے قید تسکین کے بڑھتے ہوئے رجحان کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کانظام بگڑرہاہے۔اس سلسلے میں "دی اینٹی سوشل فیملی"نامی کتاب نے مغرب کی اس صورت حال کانقشہ یوں کھینچاہے۔ یہ بات خاص طورپر قابل ذکرہے کہ معاشرے کی بنیادی اکائی کے طورپر خاندان کی بڑے پیمانے پر شکست دریخت خاندانی تعلقات میں روزافزوں عدم استحکام جس کی نشاندہی ہم جنسیت اور طلاق کے بڑھتے ہوئے رجحان سے ہوتی ہے۔[2]

اسقاط حمل و جنسی آزادی:

معاشرے میں عورتوں کی نئی حیثیت اورکام کرنے کی خواہش ، روایتی اخلاقی اقدار کافقدان اور شرح پیدائش میں مسلسل کمی جواس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ اب تحدید آبادی کی سطح کو بحال رکھنا بھی مشکل ہے۔

1۔ محمد رفیق،اسلام اور نظریہ مساوات مردوزن،ص:123

2۔ مودودی،سید ابوالاعلی، حقوق زوجین،ص:30

یہ ایسے رجحانات ہیں جو یورپ کے تمام ملکوں میں مشترک پائے جاتے ہیں کہیں ان کی شدت کم ہے اور کہیں زیادہ چنانچہ ان ملکوں کا مستقبل اوران کا وجود تک معرض خطر میں پڑ گیا ہے۔(1)

مغرب میں آزادی نسواں کی تحریک اب اس حد تک پست سطح پر گر چکی ہے کہ اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو عورتیں اپنی راہ نجات کے لیے زبردست رکاوٹ قرار دیتی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لواطت، ہم جنسیت اور بے قید جنس کو اب عورتوں کے حقوق کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ تحریک نسواں کے اہم مطالبات بھی اب یہی ہیں۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ عورت کی نجات اور عورت کی آزادی کے نام پر جو شور و ہنگامہ برپا ہے اس کا اصلی مقصد عورت کی آزادی یا اسے معاشرے میں باعزت مقام دلانا اور اس کے تشخص کو تسلیم کرانے پر نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا مقصود ہے جس میں عورت کا استحصال کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کئے جائیں اور عورت کو خود اس کے اپنے ہی ہاتھوں سے ذلیل و رسوا کیا جا سکے۔ مولانا مودودی تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے محرکات کو ہمدردانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے حق کی اٹھان قرار دیتے ہیں لیکن پھر اس کے تقاضوں کی شدت کو حق کے بعد زوال پر محمول کرتے ہیں۔ وہ حقوق نسواں کی تحریک کے جنم سے قبل کے دور کو افراط اور موجودہ حقوق نسواں کے تقاضوں کو تفریط کا نام دیتے ہیں اور دونوں ادوار کو حق سے دور قیاس کرتے ہیں۔ آپ حقوق نسواں کی تحریک کے پہلے دور کو حق پر مبنی تقاضوں پر مشتمل قیاس کرتے ہیں اور حقوق نسواں کی تحریک کے دوسرے دور کو جو ۱۹۶۰ کے بعد کا ہے۔ جس میں خاندان اور مذہب معیوب ٹھہرا ہے۔ لوگ اس بارے میں یہ رائے دیتے معلوم ہوتے ہیں کہ اب حقوق نسواں کے تقاضے حق کی حدود سے باہر جا چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں جب وہ (تحریک نسواں) اس نقصان کی تلافی شروع کرتی ہے تو صرف تلافی پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ عورت کی آزادی سے خاندانی نظام جو تمدن کی بنیاد ہے منہدم ہو جاتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑتا ہے شہوانیت اور عیش پرستی پوری قوم کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ ذہنی، جسمانی اور مادی قوتوں کا تنزل بھی لازمی طور پر رونما ہوتا ہے۔ جس کا انجام ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔(2)

ملازمت کا حق:

عورت کو مغرب کے دانشوروں نے انتہائی چالاکی سے آزادی، نجات حقوق، مساوات کے خوبصورت نعرے دیے اور صدیوں سے پسی ہوئی عورت ان نعروں اور نظریوں کی چمک دمک سے مسحور بھی ہو گئی اس نے یہ نہ

1.Michele barre, *The anti social family*, published by verso books,1991, P:12

2۔ مودودی، سید ابوالاعلی، پردہ، ص:13

سوچا کہ وہ خود کو ایسے جال میں پھنسا رہی ہے جو اس کی زنجیروں کو پہلے سے بھی زیادہ کسنے والا اور اذیت دینے والا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف اول سے لے کر آج تک عورت اپنی نجات کے لیے سرگرم عمل ہے، لیکن منزل ہے کہ آج بھی اتنی ہی دور ہے جتنی پہلے تھی۔ اس نے کام کا حق طلب کیا اور اسے یہ حق مل گیا وہ دفتروں اور کارخانوں میں بھی جانے لگی اور حکومت کے اعلی مناصب پر بھی فائز ہونے لگی مگر اسے یہ آزادی بہت مہنگی پڑی۔ بعض نے اپنا کیرئیر بنانے کی دھن میں گھر اور بچوں کی فطری ضرورت سے ہی انکار کر دیا۔ بعض نے اسے قبول کیا تو اس طرح کہ وہ نہ تو گھر کی رہیں نہ گھاٹ کیا۔ انہوں نے کام کرنے کا حق حاصل کر کے مردوں کے دوش بدوش باہر کی ذمہ داریاں بھی اٹھائیں اور گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کا بوجھ بدستور ان کے کندھوں پر رہا۔ وقت کی حکومتیں ان کے حقوق میں ان کی معاون تو رہیں لیکن گھر کا کام بہر حال ناقابل حل مسئلہ کے طور پر ہی ابھر تا رہا جس کے دباؤ عورتوں پر کم و بیش پڑتے رہے اور اس صورت حال میں حکومتیں اور قوانین ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔[1]

اس ضمن میں جان نکلسن John Nicholson کی کتاب مین اینڈ وومین 'Man and Woman' میں ماہرین عمرانیات کے ایک سروے کی رپورٹ اس طرح درج ہے: "آج بھی ایک اوسط امریکی بیوی گھر کے کام کاج پر اتنا ہی وقت صرف کرتی ہے جتنا کہ اس کی دادی کیا کرتی تھی۔ اسے عام طور پر ہفتہ میں گھریلو کام کاج پر ۵۳ گھنٹے صرف کرنے پڑتے ہیں اور یہ سوچنے کی ٹھوس بنیاد موجود ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی صورت حال اس کے کچھ مختلف نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس پرزور مطالبے کے باوجود کہ مردوں کو بھی گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ کو سنبھالنے میں عورتوں سے تعاون کرنا چاہیے عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ مرد گھریلو کام کاج سے آج بھی پہلے کی طرح دور ہے یہی نہیں بلکہ روزی کمانے والی وہ عورتیں جن کے اپنے بچے نہیں ہیں خرید و فروخت، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی ستھرائی اور اسی قسم کے دوسرے کام بھی خود ہی کرتی ہیں جو جوڑے صاحب اولاد ہیں ان کے تعلق سے یہ چونکا دینے والی حقیقت سامنے آئی ہے کہ ہر اگلے بچے کی پیدائش کے ساتھ گھریلو کام کاج میں عورت کا حصہ ۵ تا ۱۰ فیصد بڑھ جاتا ہے اور مردوں کی ذمہ داری اسی نسبت سے کم ہو جاتی ہے۔"[2]

مساوات مرد وزن کا حق:

اسی طرح عورت نے مرد بن کر اپنے حقوق حاصل کرنے کی جو جدوجہد کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نسوانیت سے محروم ہو گئی اس نے اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بھی مزید اضافہ کر لیا۔ اب اس حقیقت کا اعتراف وہ خواتین بھی کر رہی ہیں جو اس سے پہلے تحریک نسواں کی لیڈر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر بے ٹی فریڈن جس نے ۱۹۹۳ء میں

1.David boucher,*The Feminist challange*, P:27

2.John Nicholson, *Man, and woaman,* (Oxford uni press,1984), P:115

آزادی نسواں کی خاطر دی فیمنن مسٹیک The Faminine Mystique نامی کتاب لکھی تھی۔ اب اپنے اکثر خیالات و نظریات کی تردید کرتے ہوئے دی سیکنڈ اسٹیج "The second stage" میں لکھتی ہیں۔

اب میں نے وہ سب کچھ سننا شروع کر دیا ہے جسے پہلے سننے کی روادار نہ تھی۔ اب میں ان عورتوں کے خوف اور ان کے احساسات کی آہٹ بھی سننے لگی ہوں جو ہماری تحریک کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں عورت کی نجات کی تحریک کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا ہے ہم نے کچھ انقلابی نعرے بھی دیئے تھے اور ان کا اثر بھی پڑا تھا، لیکن وقت آگیا ہے کہ ہم مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں خاندان اور کیریئر کے درمیان توازن پیدا کریں۔ ہم نے اس سوچ کی حوصلہ افزائی کی کہ کیریئر کو خاندان اور مادرانہ ذمہ داریوں پر ترجیح حاصل ہے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو اولین ترجیح ہر حال میں کیریئر ہی کو دی جائے ہم نے اس خیال کو ذہنوں میں راسخ کیا کہ آزاد کیریئر ہی عورت کو مرد کی بالادستی خاندان کی گھٹن اور اولاد کی نام نہاد فطری خواہش سے نجات دلا سکتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اس کے لیے شوہر کی صورت میں کسی مخصوص شخص سے جنسی تعلق استوار کرنا بھی ضروری نہیں رہ گیا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کچھ عورتیں تو یہ بھی محسوس کرنے لگی ہیں کہ کسی بھی مرد سے جنسی تعلق رکھنا ضروری نہیں ہے۔ [1]

پھر بے ٹی فریڈن پوچھتی ہیں کہ "کیا عورتیں اپنے جنسی وجود کا انکار کر سکتی ہیں؟ کیا وہ مرد سے مکمل طور پر الگ ہو سکتی ہیں؟ کیا اولاد سے نجات حاصل کر کے یا خاندان کے دائرے سے باہر نکل کر وہ حقیقی معنوں میں نجات پا سکتی ہیں۔؟ [2] وہ کہتی ہیں کہ جنس پر مبنی سیاست آزادی نسواں کی تحریک کا منتہائے مقصود نہیں ہے ہم نے اسے یہ مقام دے کر سخت غلطی کی ہے اور اب بھی وقت ہے کہ ہم اس سے رجوع کر لیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ مرد ہمارے محبوب ہیں، ہمارے ہمدرد، ہمارے معاون ہیں، ہمارے دوست، ہمارے بھائی ہیں، ہمارے بیٹے ہیں ہاں کبھی ہمارے دشمن بھی ہیں اور جو ہمارے دشمن ہیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہو گا لیکن جو ہمارے ہمدرد ہیں غمگسار ہیں ان کے ساتھ مل کر ایک ایسے سماج، ایک ایسے ماحول، ایک ایسے نظام کی صورت گری کرنی ہو گی جو سب کے لیے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رحمت ہو، [3] پھر میں خاتون کی نجات کی تحریک کے مطالبات، نعروں کی کامیابیوں اور بحیثیت مجموعی پورے معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ عورتوں کی نجات کی تحریک کے پہلے مرحلے کے مطالبات کی بنیاد پر مردوں اور بچوں کے ساتھ یا ان کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔

1.Batty friedan, *The feminine mystrique*, (published by pragma,2002), P:154
2.Ibid, P:154
3.Ibid, P:155

ہمیں کچھ اور سوچنا ہو گا تحریک کا ایک نیا مرحلہ شروع کرنا ہو گا جو کیریئر کی کامیابی اور گھریلو زندگی دونوں کی ضرورتوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے گا۔"[1]

1.Batty friedan, *The feminine mystrique*, (published by pragma,2002), P:170

فصل دوم

تحریک حقوق نسواں کے ملازمت پیشہ اور گھریلو خواتین پر اثرات

فصل دوم:

تحریک حقوق نسواں کے ملازمت پیشہ اور گھریلو خواتین پر اثرات

تحریک حقوق نسواں میں دور جدید کا آغاز اور ذہنی، تہذیبی اور سیاسی تبدیلیوں کا ایک بڑا محرک مغرب کا اثر ہے جسے مغربیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ دراصل مغرب کا مسلم معاشرہ میں سرایت کرنے کا عمل ہے۔[1]

دنیائے اسلام میں مغرب سے مرعوبیت نے مدافعتی جدیدیت کو جنم دیا ہے جو مغرب کے فکری تہذیبی اور تمدنی اثرات کا سرچشمہ بنی ہے، حقوق نسواں کی تعمیر نو مدافعتی جدیدیت کا ایک اہم پہلو ہے جس نے مرد اور عورت کے ساتھ تعلقات میں مغربی زاویوں اور نقطہ نگاہ کو فروغ دیا ہے۔[2]

حقوق نسواں کی تحریکوں سے وابستہ خواتین کا تعلق چونکہ مالدار گھرانوں اور جدید پڑھے لکھے خاندانوں سے ہے لہذا وہ اپنی تہذیب واطوار کو پسماندہ اور حقیر قرار دیتی ہیں۔

چنانچہ اس تحریک کے خواتین پر ہونے والے اثرات کے دو پہلو ہیں: مثبت اور منفی۔

مثبت پہلو:

چونکہ اس تحریک کا آغاز بنیادی سہولیات اور حقوق کے حصول کے لیے کیا گیا اور اس تحریک کے نتیجے میں خواتین کو بہت سے بنیادی حقوق میسر آئے اور بہت سے قوانین وجود میں آئے جو خصوصا خواتین کے تحفظ کے لیے بنائے گئے جو اس سے پہلے خواتین کو میسر نہیں تھے ان میں چند ایک حقوق کو ذیل میں بیان کریں گے۔

قانون سازی میں مساوات:

حقوق نسواں نے مساوی حقوق میں ترمیم، مساوی تنخواہ ایکٹ، شہری حقوق ایکٹ میں جنسی امتیاز کو شامل کرنے، اور دوسرے قوانین کے لئے کام کیا جو مساوات کی ضمانت دیتے ہیں۔ حقوق نسواں نے خواتین کی پیشہ ورانہ اور معاشی کامیابیوں، یا شہریت کے حقوق کی مکمل مشقوں کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے مختلف قوانین اور موجودہ قوانین کی ترجمانی کی حمایت کی۔ حقوق نسواں نے خواتین کے لئے "حفاظتی قانون سازی" کی طویل روایت پر سوالیہ نشان لگایا، جو اکثر خواتین کو ملازمت، ترقی، یا منصفانہ سلوک کرنے سے باز رکھتا ہے۔

سیاسی شرکت کو فروغ دینا:

خواتین ووٹرز کی لیگ، جو خواتین کے ووٹ حاصل کرنے کے فوراً بعد ہی موجود ہے، نے باخبر ووٹنگ میں

---

1. *The Cambridge history of islam,* Vol :2, P:646

2۔ معین الدین عقیل، دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اور اقبال، (المعارف ماہنامہ، جولائی-اگست، 1987)، ج:20، شمارہ:125

خواتین (اور مردوں) کو تعلیم دینے میں مدد دی ہے اور خواتین کو امیدوار کے طور پر فروغ دینے کے لئے کام کیا ہے۔ 1960ء اور 1970 کی دہائی میں، دیگر تنظیمیں تشکیل دی گئیں اور لیگ نے خواتین امیدواروں کی بھرتی، تربیت اور مالی اعانت کے ذریعہ خواتین کے سیاسی عمل میں مزید بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے اپنے مشن میں توسیع کی۔[1]

عورتوں کی تعلیم کا حق:

آج تعلیم کی ہر سطح پر صنفی مساوات کے حصول میں خاصی ترقی ہوئی ہے لیکن اقوام متحدہ کے اعداد و شمار سے پتا چلتا ہے کچھ ترقی پذیر خطوں میں آج بھی تفاوت باقی ہے مثال کے طور پر افریقہ میں ہر 100 لڑکوں کے مقابلے میں 70 لڑکیاں تیسرے درجے کی تعلیم میں داخل ہوتی ہیں لیکن اس تحریک کے بعد خواتین کی تعلیم کو بہت اہمیت سے گئی اور خواتین کی تعلیم کی شرح میں کافی حد تک اضافہ دیکھنے میں آیا۔

ملازمت کا حق:

انیسویں صدی کے نصف اول سے لے کر آج تک عورت اپنی نجات کے لیے سرگرم عمل ہے اس نے کام کا حق طلب کیا اور اسے یہ حق مل گیا وہ دفتروں اور کارخانوں میں بھی جانے لگی اور حکومت کے اعلی مناصب پر بھی فائز ہونے لگی مگر اسے اس آزادی کے لیے بہت سی قربانیاں دینی پڑی بعض نے اپنا کیریئر بنانے کی دھن میں گھر اور بچوں کی فطری ضرورت سے ہی انکار کر دیا۔ انہوں نے کام کرنے کا حق حاصل کر کے مردوں کے دوش بدوش باہر کی ذمہ داریاں بھی اٹھائیں اور گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کا بوجھ بدستور ان کے کندھوں پر رہا۔ وقت کی حکومتیں ان کے حقوق میں ان کی معاون تو رہیں لیکن گھر کا کام بہر حال ناقابل حل مسئلہ کے طور پر ہی ابھرتا رہا بہر کیف خواتین کو ملازمت کا حق ملا اور بہت سے شعبوں میں خواتین نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ بھی کیا۔[2]

منفی پہلو:

مغربی استعمار کی انتہائی بدترین صورت ہے کہ جن عورتوں کو امت کی راہیں استوار کرنے میں مثال بنا تھا وہی اس تیزی سے اس تہذیبی یلغار کا شکار ہو رہی ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنا چہرہ پہچاننے میں اور اپنے تشخص کے ادراک میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ یہی عورتیں آزادی کی خواہاں ہیں۔ اسلام کو ماضی کی یاد سمجھتی ہیں اور مستقبل میں جینے کی آرزومند ہیں۔ اسلام کو عورتوں کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ خود کو معاشی اور مادی

---

1. David boucher, *The Feminist challange*, P:27
2. Ibid, P:28

طور پر مضبوط کرنااور مساوات مرد وزن کا علم بلند رکھے کو کامیابی کی معراج سمجھتی ہیں ۔ علمائے دین کو اپنا دشمن گردانتی ہیں اور مغرب کے UNO کے حقوق نسواں کے مسودے کو اپنی خوشحالی سے تعبیر کرتی ہیں۔

لیکن جب مشرق کی رگوں میں جاوداں مذہب ان کے ضمیر کو جنجھوڑتا ہے تو بات حقوق نسواں کی تعبیر نو پر آٹھہرتی ہے اور پھر مغربی نقطہ نظر سے اسلام کی اصلاح کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ مغربی دنیا میں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقات نے (مساوات کے نام پر ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے) حقوق نسواں کے نام پر عورتوں کے فرائض میں غیر انسانی حد تک اضافہ ہو چکا ہے جس نے نسوانیت کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ اہل علم و دانش نے اس رجحان کو معاشرت کے لیے ضرر رساں قرار دیا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال اسے کامیابی اور ترقی کے منافی سمجھتے ہیں۔

"عورتوں کا آزاد کیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہو گا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔[1]

عورت کی معاشی ذمہ داری میں اضافہ:

انقلاب نسواں میں سب سے مظلوم ہستی عورت ہے اس کو اب پہلے سے کہیں زیادہ شدید محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ نفسیاتی طور پر آسودہ ہے نہ مادی لحاظ سے خوشحال۔ مرد نے نہ صرف یہ کہ عورت کا خواہ وہ اس کی بیوی تھی یا ماں مالی سہارا بننے سے انکار کر دیا کہ اپنی روزی آپ کمانے کی ذمہ داری بھی الٹا اس کے سر ڈال دی۔ اس طرح وہ کارخانہ دار کی بے انصافیوں کا شکار بھی بنتی ہے۔ اس کو کام بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے مگر معاوضہ مردوں کے مقابلہ میں کم ملتا ہے۔

حقوق نسواں کے نظریے کے مطابق عورت کو ہر وہ کام کرنا چاہیے جو مرد کرتا ہے۔ یہ صورت حال نہ تو عقلی طور پر درست ہے نہ شرعی طور پر عقلی طور پر اس لیے کہ عورت نازک صنف ہے وہ دوہرے بوجھ کی اہل نہیں۔ شرعی طور پر اس لیے درست نہیں کہ شریعت کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دیتی۔[2]

عورت کا مرد کے کاروبار میں حصہ لینا اور خارجی زندگی کے خطرناک معرکوں میں شریک بننا دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے فطری جذبات کو قتل کر رہی ہے، وہ اپنے ملکات کو مٹا رہی ہے، وہ اپنی رونق اور طراوت کو پژمردہ، اپنی ترکیب کو خراب اور اپنی قوم کے جسم میں خلل پیدا کرتی ہے۔ مادی مدنیت کی عورتوں میں، چاہے ظاہری نمائش اور دلفریبی پائی جاتی ہے لیکن وہ کامل جنس نسواں کی نمونہ باکمال نسوانی کے راستہ پر چلنے والی ہرگز نہیں ہیں۔ حقوق

1۔ عبد الغنی، تحریک آزادی نسواں پر اقبال کی تشویش، (نوائے وقت، 9 نومبر 1996)، ص: 3

2۔ غلام شبیر، مساوات مرد وزن، (اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، نومبر 2015)، ص: 143

نسواں کی حامی فکر نے مساوات مرد وزن کے نام پر ظلم اور ناہمواری کو عورت کا نصیب بنا رکھا ہے۔ انہوں نے مساوات کے نام پر عورت پر معاش کے بوجھ ڈال رکھے ہیں۔ عورت اپنے نسوانی امور کی بجاآوری میں مردوں کی کوئی شمولیت نہیں پاتی، مساوات کے نام پر مردوں کے دائرہ کار میں عورت کی شمولیت عورت پر ظلم، ناانصافی، عدم مساوات اور عورت کی نسوانیت کی تذلیل ہے، یہ عورت کو مرد بنانے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ عورتوں میں احساس کمتری پختہ ہو جائے کہ نسوانیت ایک ذلت ہے اور رجولیت ایک فخر ہے۔ یہ نسوانیت کی وہی تذلیل ہے جو ہر جاہلی معاشرہ کے عورتوں پر ظلم کی دلیل ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ذلت کی صورت عورتوں کو قتل کرنا بچوں کو زندہ فن کرنا بچیوں کی پیدائش پر شرمندگی محسوس کرنا وغیرہ تھیں اور یہ سب ماضی میں تذلیل نسواں کی صورتیں تھیں۔

تحریک آزادی نسواں کے صرف نام خوبصورت ہیں مقصد ان کا بھی عورتوں میں نسوانیت کا قتل عام ہے۔[1]

حقوق نسواں کے نام پر فرائض نسواں میں اضافہ ہے، ماضی میں اگر بیٹے معاشی سہارا تھے اور بیٹی بوجھ تھی اور بوجھ کو ہٹایا جاتا تھا اور سہاروں کا لالچ کیا جاتا تھا تو آج بھی لالچ وہی ہے، صرف شکل بدلی ہے کہ عورت کی نسوانیت کا بوجھ اٹھانے کی بجائے اسے بھی معاشی سہارا بنالیا جائے۔ یہی وہ فکر ہے جس کے لیے حقوق نسواں کی تنظیمیں سر توڑ کوشش کر رہی ہیں کہ عورت کے وجود سے معاشی ترقی کی راہ ڈھونڈی جائے، تحریک آزادی نسواں پر اس اعتبار سے مخالفت کی ذد میں ہے ہے کہ انہوں نے عورتوں کے حقوق کا نام لے کر عورتوں کے فرائض میں اضافہ کر دیا ہے، اب عورتوں پر گھر کے ساتھ ساتھ معاش کی بھی ذمہ داری آن پڑی ہے ایک محتاط تحقیقی رائے کے مطابق آج مسلمان جس دور زوال سے گزر رہے ہیں، وہاں مردانگی اور ذمہ داری کا فقدان ہے۔ اسلامی معاشرہ میں آبادی کی کثرت ہے، مرد جہاد اور معاشی ذمہ داری اٹھانے کی اہلیت سے عاری ہیں۔ افراد کار کو عمل و ترقی کی راہ پر گامزن کرنی والی باتیں ناپید ہیں مسلم امہ اپنی مقداری کثرت میں بہت زیادہ ہے جبکہ معیار انسانی پست سے پست ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دوسری طرف نسوانی کردار کے نتائج بے بہا ہیں اور مردانہ کردار کے نتائج نہ ہونے کے برابر ہیں۔ طبقہ نسواں اس زوال کے دور میں جن راہوں کو کھوج رہا ہے وہ وقت کا تقاضا ہیں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ نسوانی کارکردگی (گھرداری، بچہ داری) اور مردانہ کارکردگی (معاشی تمدنی ارتقاء) میں تناسب لایا جائے اور جس عنصر کی تشنگی پائی جائے اسے پورا کیا جائے۔[2]

1۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، مسلمان عورت اور کارزار حیات، (نومبر 2004، شمارہ: 11، ج: 36، ص: 99

2۔ شمس الدین امجد، اسلام میں عورت کا دائرہ کار، آئین، (ماہنامہ اگست، 2005، شمارہ: 8، ج: 43، ص: 63-76

نظام تعلیم پر مغربیت کا تسلط:

عصر حاضر میں مسلمان معاشروں کا تعلیمی نظام پریشان کن ہے، حقوق نسواں عورت کو تعلیم کے نام پر اسلام سے منحرف کر رہا ہے ملک پاکستان میں سرگرم اس طبقے سے وابستہ حقوق نسواں کی تحریکیں تعلیم کے پس پردہ مغربی اقدار کو فروغ دے رہی ہیں۔ آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کی ششماہی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی خواتین نے بیرونی ممالک سے اپنے تعلقات اس قدر وسیع کر لیے ہیں کہ خود حکومت پاکستان بھی اپنے بیرونی تعلقات اب تک اس قدر وسیع نہیں کر سکی۔[1]

موجود تعلیم کس ٹائپ کے اشخاص تیار کرتی ہے اور کسی ذہنیت اور کس مزاج کے لوگ ہیں جن کو اس نظام تعلیم میں درجہ بخشا گیا ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک مکتب میں بٹھا کر تعلیم دے رہے ہیں۔ اور پھر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ اس سے اخلاق بگڑتے نہیں بلکہ بن رہے ہیں۔ ہمارے زنانہ کالجوں میں جس طرح لڑکیوں کو اسلامیت کے رنگ رنگا جارہا ہے اس کے ثبوت کے لیے اکثر اخباروں میں الیکٹرونک میڈیا پر تصویر میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔[2]

ہمارے تعلیمی ادارے مغربی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اہل مغرب کا تعلیم نسواں کا مقصد بھی اسلام کے مقصد سے یکسر متصادم اور مختلف ہے۔ لہذا نتائج بھی مختلف ہونے لازمی ہیں اس وقت مغربی تعلیم یافتہ طبقے میں صرف مال زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا ایک جنون طاری ہے۔ اعلی گھر بیش قیمت فرنیچر، نئے ماڈل کی گاڑی، سٹیٹس کا حصول، غرض مادی مفادات کی دوڑ لگی ہے، حلال و حرام سے بے نیاز، رشوت، سود، کرپشن کا بازار گرم ہے، نظروں میں پیرس، لندن، واشنگٹن اور نیویارک بسائے ہوئے ہیں، بچوں کو دھڑا دھڑ اوہاں تعلیم کے حصول کے نام پر بھیجا جارہا ہے۔

غیر اسلامی رسم ورواج میں اضافہ:

دوسری طرف غیروں کے رسوم ورواج بڑی تیزی سے اپنائے جارہے ہیں۔ کھانے پینے، چلنے پھرنے، ملنے ملانے کے وہی مغربی انداز ہیں، پتنگ بازی اور ویلنٹائن ڈے جنسی بے ہودہ رسومات کو اسلامی ثقافت کا حصہ بنایا جارہا ہے جب کہ اسلامی شعائر تضحیک اور طعن و تشنیع کا نشانہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں بن رہے ہیں۔ اگر کسی جگہ ایک غیر مسلم اور ایک مسلمان طالبہ ایک ساتھ کھڑی ہوں تو دونوں کا لباس اور گفتگو کا انداز بالکل یکساں ہوگا۔ یہ بیان مشکل ہے کہ ان میں سے کوئی مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ آخر ایسا کیوں نہ ہو جب دینی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ

1۔ اصلاحی، امین احسن، پاکستانی عورت دوراہے پر، ص:25

2۔ ایضا

ہو تعلیمی ادارے ہی ماحول سکھائیں۔ بچے ٹی وی کی دھنوں پر سوئیں اور ٹی وی کی آغوش میں آنکھیں کھولیں، گھر میں کوئی ان کو نماز یا قرآن مجید پڑھتا نظر نہ آئے، کوئی اسلام کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز اور ثواب کا درس دینے والا نہ ہو تو پھر یہ نتیجہ نکلنا لازمی ہے۔ حقوق نسواں سے وابستہ سیکولر ذہن درحقیقت مسلمان عورتوں کو علم سے دور رکھ کر استعماری غلامی میں دینا چاہتا ہے، تعلیم سے ان کی مراد علم و آگاہی اور شعور و بیداری نہیں ہوتی بلکہ مغرب کی اندھا دھند نقالی ہوتی ہے۔[1]

نظریاتی کشمکش کا آغاز:

اسلام اور عورتوں کے حقوق سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور شبہات جنم لینے لگے جنہیں مغربی مفادات نے ہوا دی، مسلمان پریشان ہو کر منفی انداز دفاع اختیار کرنے پر مجبور ہوتے گئے۔ اسلامی تعلیمات کے ایجابی پہلو دبتے گئے اور اسلام بطور جبر کے ہتھیار کے عام ہونے لگا، مسلمانوں میں مغرب سے مقابلے کے جذبات مچلنے لگے، مسلمان عورتوں کی بے چینی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ ان کے ذہنوں میں نظریاتی کشمکش برپا رہنے لگی تعلیم یافتہ مذہب کے بارے میں متشکک خواتین اسلام کو فرسودہ قرار دے کر نئی راہیں کھوجنے نکل کھڑی ہوئیں۔

انہوں نے اپنے شک کو اسلامی یقین کی طرف لوٹانے کی بجائے مذہب کے حاملین کو ترقی مخالف اور عورت دشمن قرار دے دیا۔

مذہب سے دوری کا رجحان:

سامراجی نظام تعلیم نے نوجوان مسلمان عورت کو ذہن نشین کرایا کہ عورتوں کا مفاد اسلام سے دور رہنے میں ہے، اس نے مغرب کے پیش کردہ بنیادی انسانی حقوق کو عورتوں کے لئے آزادی کی منزل قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اسلام کی افادیت وقت کے ساتھ ختم ہو چکی ہے، اب اس میں کوئی معنویت باقی نہیں رہی اور یہ فرسودہ اقدار اپنی قدر و منزلت کھو چکی ہیں۔[2] انہوں نے نوجوان مسلمان عورت کو بتایا کہ انسان ہونے کے ناطے وہ آزاد ہے وہ اپنی زندگی اور آزادی سے محظوظ ہونے کا پورا حق رکھتی ہے، جیسے یہ کسی ایک مرد کو ملتا ہے ویسے ہی وہ بھی حقدار ہے وہ اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھنے کا حق رکھتی ہے کوئی اس کے اس حق کو چیلنج نہیں کر سکتا ہے۔

صنفی امتیازات کا خاتمہ:

غلامی کی تمام شکلیں ختم کی جا چکی ہیں تحریک آزادی نسواں کا ذہن شادی کو شرعی غلامی کا نام دیتا ہے اور ہر

1۔ حافظ سجاد، اسلام اور مغربی تہذیب و افکار تاریخی تناظر میں، (طبع اول، 2001)، ص:163،162

2۔ علوی، ثریا بتول، این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، (فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، 2001)، ص:96

کوئی برابر ہے، ہر عورت بلاامتیاز اسی تنخواہ کی حقدار ہے جو مرد لیتا ہے، ہر کوئی اپنا معیار زندگی بہتر کرکے اچھی خوراک لباس اچھی رہائش اور بہتر طبی سہولیات کا آزادانہ رکھتا ہے، ہر کوئی آزادانہ معاشرتی ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق رکھتا ہے ،عورتیں وہ تمام کھیل آزادانہ کھیل سکتی ہیں جو مرد کھیلتے ہیں ،ہر کوئی آزادانہ سفر کرنے کا حق رکھتا ہے، عورت سفر میں کسی کی اجازت یا رفاقت کی محتاج نہیں ہر کوئی جداگانہ قومیت کا حق رکھتا ہے۔ اگر کسی مرد کی بنا پر عورت کو نیشنلٹی ملتی ہے تو عورت کی بنا پر مرد بھی نیشنلٹی کا اہل ہو گا، عورتیں اور مرد بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد حق رکھتے ہیں، ہر مذہبی، معاشرتی امتیاز کے بغیر اپنا لائف پارٹنر خود منتخب کریں، وہ نکاح اور طلاق میں برابر کا حق رکھتے ہیں عورت اور مرد کے امتیاز کے بغیر ہر کوئی سیاست میں حصہ لینے کا حق رکھتا ہے اور آزادانہ طور پر اپنے گروہ تشکیل دے سکتا ہے۔[1]

عورت اور مرد کے امتیاز کے بغیر ہر کوئی معاشی پیشہ اپنانے کی آزادی رکھتا ہے۔ چھوٹے بچے چاہے شادی کے نتیجے میں پیدا ہوں یا زنا کے نتیجے میں معاشرے میں برابر کا حق رکھتے ہیں۔

ہم جنس پرستی کا فروغ:

مرد اور عورت آزاد ہیں کہ وہ جسے چاہیں اپنا زندگی کا ساتھی چنیں یا بغیر ساتھی کے زندگی گزاریں یا عورتیں عورتوں سے شادی کریں یا مرد مردوں سے شادی کریں، مرد اور عورت شادی کریں یا شادی کئے بغیر جنسی تعلقات استوار کریں، قانون اور معاشرہ ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتا۔ غرض عورت کے لئے تمام اقدار گرا کر نئے معاشرتی ڈھانچے تیار کئے گئے۔[2]

گھریلو ذمہ داریوں سے عدم توجہی:

پہلے ہر مسلمان معاشرے کی لڑکی کی یہ سمجھتی تھی کہ اس کا اصلی میدان عمل گھر ہے۔ اس وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے اندر سگھڑپن اور سلیقہ پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کو اس کی گھر گرہستی کی ذمہ داریوں کے لائق بنائے اور وہ علم وہنر سیکھے جو ایک سلیقہ شعار بیوی اور ایک لائق ماں کے فرائض انجام دینے میں اس کے کام آسکے لیکن اب اسے تربیت اس بات کے لئے دی جارہی ہے کہ وہ باہر سے آنے والے معزز مہمانوں کے دل کس طرح بہلاسکے۔ کس طرح اپنے جسمانی کرتبوں کی نمائش کرے ، اب تک ہر بیٹی اپنے لئے اس بات کو کمال

1.Dr. Sulieman Abdul Rahman Al Hageel & Imam Muhammad bin Saud, *Human Rights in Islam and Refutation of the Misconceived Allagations associated with these Rights*"Universal Declaration of Human Rights Article, 1-6, (Faculty of Education Riadh, first edition 1999),P:80

2. Ibid, Article:25, P:85

شرافت سمجھتی تھی کہ جب تک باپ کے گھر میں رہے، باپ بھائی کی کمائی پر فراخی یا تنگی کی جیسی زندگی بھی میسر آئے ، صبر وشکر کے ساتھ گزارے اور جب شوہر کے گھر میں جائے تو اس کی کمائی پر زندگی بسر کرنے کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھے اور قناعت و فرض شناسی کے ساتھ اپنی قابلیتیں ان خدمات کے ادا کرنے میں صرف کرے جو گھر اور خاندان سے متعلق ہیں، لیکن اب یہی لڑکی سبق لینے گئی کہ ایسی زندگی سے جو باپ کے بخشے ہوئے ٹکڑوں اور شوہر کے دستر خوانوں کے ریزوں پر بسر ہوئی بہتر ہے کہ وہ خود گھر سے نکل کر جدوجہد کر کے خود بھی کھائے اور اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ اب تک ہر لڑکی سینے پرونے، پکانے بھائیوں اور بہنوں کو سنبھالنے اور ماں باپ کی خدمت کو اپنے لئے اعزاز سمجھتی تھی۔ شوہر اور بچوں کی خدمت کو اپنے لئے فخر قرار دیتی تھی۔ اب یہ غلامی اور محتاجی عورت کے ذوق پر پوری نہ اتری اور اس نے اپنے ذاتی تشخص اور ذاتی شناخت کا مطالبہ کر دیا۔ اور اپنے لئے فن اور ہنر کا میدان اس کے علاوہ مانگا اور مفت کی ان خدمات کا انکار کر دیا۔[1]

خاندانی نظام سے بغاوت:

حقوق نسواں کی تحریک کئی پہلو سے مبنی بر حق ہونے کے باوجود عورت کو خاندان سے بغاوت کر کے خاندانی سانچے کی توڑ پھوڑ کر رہی ہیں اور خاندان بطور معاشرتی ادارے کے تخریب کاری اور بحران کا شکار ہے۔ ان کے ہاں خاندانی اجتماعیت خطرے کی زد میں ہے۔ بزرگوں کا احترام، اولاد کی خدمت، شوہر کی اطاعت، گھر اور خاندان سے وفا، جدید عورت سے دور ہو جانے والی صفات ہیں اور ان کا محرک یہ روایات سے باغی تحریکیں اور حقوق نسواں کے عنوان سے شائع ہونے والا لٹریچر ہے جس نے عورت کو اس کے فرائض سے غافل کر دیا ہے۔ اور عورت نے حقوق کے نام پر اپنے فرائض سے بیزاری اختیار کی ہے۔ اسلامی ممالک کی ذہنی فکر جدید تحریک نسواں کی افکار پر انتہائی تنقید کرتی ہے اور انہیں خاندانی اجتماعیت کو توڑنے کی سزاوار ٹھہراتی ہے۔ ان کے نزدیک عورت کا اصل فریضہ خاندان کی حفاظت ہے نہ کہ معاشی امور میں دخل اندازی۔

> "ان کے نزدیک یہ گھریلو ذمہ داریاں ادا نہ کرنے پر قیامت کے دن عورت کی باقاعدہ بازپرس ہوگی جبکہ ملازمت نہ کرنے پر بازپرس نہیں۔ گھریلو کام کرنا عورتوں پر فرض ہے۔ ان کو ادا نہ کرنے پر اللہ تعالی ناراض ہوگا"[2]

طبقہ حقوق نسواں پر مبنی لٹریچر کثرت سے ان اعداد و شمار کو پیش کرتا ہے جن میں خاندان کے افراد نے عورتوں کی زندگیاں برباد کر دی ہیں، تحفظ کے نام پر عورتوں کو قید کر دیا ہے، عصمت و عفت اور حیا کے نام پر عورتوں

1۔ علوی، ثریا بتول، این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، ص:96

2۔ رضی الدین، تحریک حقوق نسواں ایک مطالعہ، (ادارہ معارف اسلامی، کراچی)، ص:107

کے جنسی اور عائلی حقوق سے منہ موڑا ہے۔ پردے کے نام پر عورتوں پر تعلیم و تفریح کے دروازے بند کیے ہیں۔ اورولایت کے نام پر عورت پر جبر کا ڈنڈا رکھا ہے، غیرت کے نام پر عورت کو کثرت سے قتل کیا گیا ہے ۔ گھریلو تشدد اور مار پیٹ اور بے عزتی کرنا خاندانوں میں روز کا معمول ہے۔(1)

خاندان عورت کے لیے ہے اور عورت خاندان کے لیے، خاندان عورت کو تحفظ دیتا ہے اور عورت خاندان کو ترقی دیتی ہے خاندان کو مضبوط کرتی ہے۔ اور وہی خاندان مستحکم اور مضبوط ہوتے ہیں جہاں عورتیں ان کے استحکام میں کردار ادا کرتی ہیں لیکن اگر گھر عورت کی جیل بن جائے، گھر کے افراد عورت کے دشمن بن جائیں۔ گھر کی چھت گھر والوں کو تحفظ دینے کی بجائے گھر والوں پر گر جائے تو جان بچانے کے لیے اس گھر سے بھاگنا پڑتا ہے اور کسی اور چھت کے نیچے پناہ لینی پڑتی ہے۔

مسابقات کی روح دونوں کو ایک دوسرے سے بدگمان کرتی ہے اور ایک دوسرے سے لڑاتی ہے۔ اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرتی ہے ،ایک دوسرے کا نقصان چاہتی ہے ، دینی فکر کے نزدیک طبقہ نسواں گھروں میں دراڑیں ڈالتا ہے عورت کو گھر والوں کے خلاف لڑاتا ہے۔ عشق بازی کو تحفظ دیتا ہے۔ لڑکی اور والدین کے درمیان تنازع میں ہمیشہ لڑکی کا ساتھ دیں گے، شوہر اور بیوی کے تنازع میں ہمیشہ بیوی کا ساتھ دیں گے ، ہر صورت خاندانی اجتماعیت کے خلاف لڑکی کی مدد کریں گے اور عشق و عاشقی ، فحاشی اور عریانی کو عورت کا بنیادی حق قرار دیں گے۔ یہ سیاست میں عورت کی شمولیت اس لیے چاہتے ہیں کہ یہ عورتوں کے حق میں مردانہ فیصلہ سازی سے مخاصمت رکھتے ہیں، یہ عورت کی تعلیم اور معاشی اہلیت کو مرد کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، یہ مرد کے خلاف اس قدر تعصب کا شکار ہیں کہ مفسرین کے کلام الٰہی سے اللہ کی مراد کا تعین کرنے کی کوشش کرنا ان کے نزدیک مردانہ رجحانات ہیں اور عورت دشمنی پر مبنی ہیں، یہ مرد کی قوت کے مراکز پر قبضہ کرنے کے لیے بنی ہے یہ عورت کو مرد کی قوت سے لڑانا چاہتے ہیں۔

مرد مضبوط ہو تو چھت مضبوط ہوتی ہے، مرد کمزور ہو تو عورت غیر محفوظ ہوتی ہے، اور مرد کی کمزوری زیادہ بڑھ جائے تو چھت مکینوں پر گر جاتی ہے مکینوں کو چھت کے خلاف اپنا تحفظ کرنا پڑتا ہے، چھت کی مضبوطی کے لیے جہاں مردوں کی اصلاح ضروری ہے وہاں عورتوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ جس نے چھت کو مضبوط کرنے میں حصہ لینا ہے نہ کہ صرف چھت سے فائدے لینے میں اور چھت کو کمزوری کا الزام دینے میں تنقید کرنا اور برا بھلا کہنا آسان ہوتا ہے اور اصلاح کرنا حقیقت میں تعمیری کام ہوتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کی تعلیم ، معاشرت کے لیے انتہائی ضروری ہے اوردونوں ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے

3۔ گھریلو تشدد" ii۔ عورت کے نام پر قتل کے خلاف، iii ۔ منصفانہ قانون عورت کی ترقی، عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد

کو کمزور کرتے ہیں۔[1] اس تحریک حقوق نسواں کے مزید عورتوں پر اثرات، طلاق میں اضافہ، گھریلو جھگڑے، خود کشی کے رجحانات وغیرہ بھی ہیں جن میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

1۔ رضی الدین، تحریک حقوق نسواں ایک مطالعہ، ص:111

فصل سوم

تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا شماریاتی جائزہ

فصل سوم:

تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا شماریاتی جائزہ

پاکستان میں تحریک حقوق نسواں اور اس کے اثرات سے متعلق گزشتہ فصول میں بذریعہ کتابی مواد جائزہ لیا گیا یہاں اس فصل میں ان کا شماریاتی جائزہ پیش کیا جائے گا اس مقصد کے لیے سروے اور انٹرویوز کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

1۔ سروے کا مقصد:

سروے کا مقصد تحریک حقوق نسواں اور اس کے اثرات اور خواتین کو موجودہ دور میں درپیش چیلنجز سے متعلق معلومات اور مواد اکٹھا کرنا ہے۔اب ہم سوالنامے کے مطابق لوگوں کی آراء کا جائزہ پیش کریں گے۔

(Q#1-5)

سوالات:

1۔کیا حقوق نسواں اور آزادی مارچ ایک ہی تحریک کا نام ہے؟

2۔کیا حقوق نسواں ایک غیر واضح اور منتشر اصلاح نہیں ہے؟

3۔کیا تحریک نسواں ایک منفی تحریک ہے؟

4۔کیا حقوق نسواں کا مقصد آزادی نسواں ہے؟

5۔کیا آپ خواتین تحریک کے حقیقی مقاصد سے آگاہ ہیں؟

	Frequency تعداد	Percent فیصد
1۔ہاں	69	69%
2۔ نہیں	1	1%
3۔ کسی حد تک متفق	30	30%
4۔ٹوٹل	100	100.0

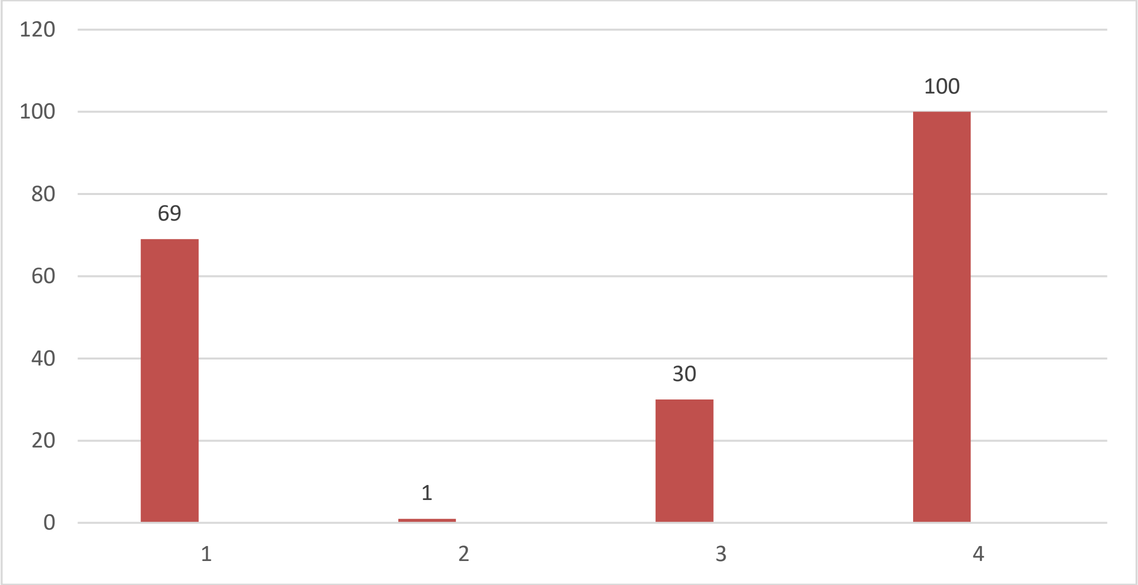

سوالات ا تا 5 کا تجزیہ:

مندرجہ بالا ٹیبل سے معلوم ہوتا ہے، 69٪ خواتین کا کہنا ہے کہ تحریک نسواں اور آزادی مارچ ایک ہی تحریک کا نام ہے جبکہ ان میں سے 1٪ افراد اس کی اصطلاح کے متعلق نہیں میں جواب دیتے ہیں۔ جب کہ 30٪ ایسے ہیں جو اس تحریک کے منفی ہونے، مقصد اور اس سے آگاہی کے بارے میں کسی حد تک متفق ہیں۔

(Q#6-10)

سوالات:

1۔ کیا پاکستانی مرد عورت کے حقیقی مسائل اور مشکلات سے آگاہ ہیں؟

2۔ کیا ملک میں خواتین معاشی، سماجی، اور سیاسی طور پر بااختیار ہیں؟

3۔ کیا ملک میں عورت بحیثیت ماں، بہن، بیٹی، بیوی آزاد ہیں؟

4۔ کیا ملک میں عورت اور مرد کے حقوق یکساں ہیں؟

5۔ کیا پاکستان میں خواتین کو ان کے حقوق دیے جاتے ہیں؟

	Frequency تعداد	Percent فیصد
1۔ہاں	41	41%
2۔ نہیں	18	18%
3۔ کسی حد تک متفق	41	41%
4۔ٹوٹل	100	100%

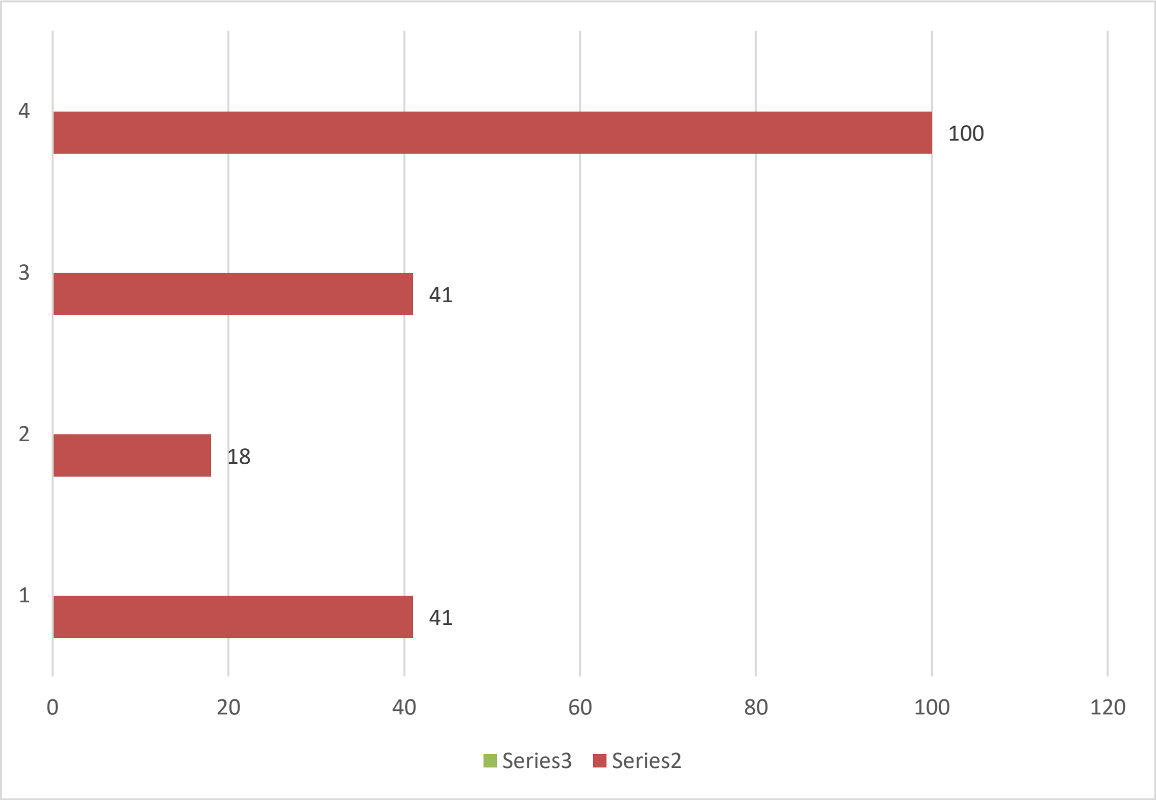

سوالات 6 تا 10 کا تجزیہ:

مندرجہ بالا شماریاتی جائزہ سے پتا چلتا ہے کہ 41٪ خواتین کا کہنا ہے کہ مرد خواتین کے مسائل سے آگاہ ہیں اور خواتین معاشرے میں ہر لحاظ سے آزاد ہیں۔ جبکہ ان میں سے 18٪ خواتین کے مطابق ملک میں مرد و عورت کے حقوق یکساں ہیں جب کہ 41٪ ایسی ہیں جن کے مطابق خواتین کو ان کے حقوق دیے جاتے ہیں۔

(Q#11-15)

سوالات:

1۔ کیا عورت مارچ کے مطالبات جائز ہیں؟

2۔ کیا عورت مارچ محض صنفی امتیاز کے خاتمے کا مطالبہ ہیں؟

3۔ کیا عورت مارچ کے مطالبات اسلامی تعلیمات کے متصادم ہیں؟

4۔ کیا آزادی مارچ کے نعرے تمام عورتوں کے خیالات کی عکاسی کرتے ہیں؟

5۔ کیا عورت مارچ معاشرتی اقدار کو کمزور کرنے کی سازش ہے؟

	Frequency تعداد	Percent فیصد
1۔ہاں	41	41%
2۔ نہیں	18	18%
3۔ کسی حد تک متفق	41	41%
4۔ٹوٹل	100	100%

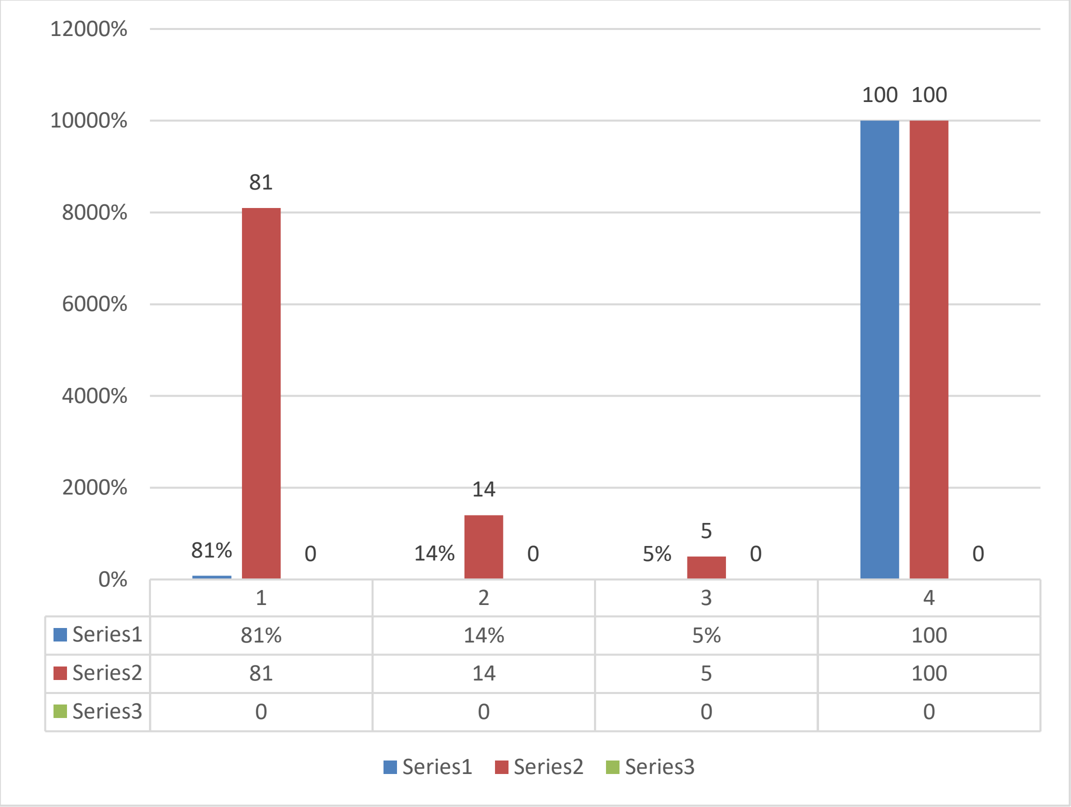

سوالات 11 تا 15 کا تجزیہ:

مندرجہ بالا مواد ٹیبل ظاہر کرتا ہے کہ 81٪ خواتین گھریلو خواتین کے مطالبات کو جائز قرار نہیں دیتیں، ان کے نزدیک یہ تحریک اپنے جائز بنیادی حقوق سے ہٹ کر ناجائز مطالبات کر رہی ہیں۔اور ان کے مطالبات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ان میں سے 14٪ خواتین کا کہنا ہے کہ اس تحریک کا مقصد صنفی امتیاز کا خاتمہ اور معاشرتی اقدار کو کمزور کرنے کی سازش ہیں،اور یہ نعرے تمام خواتین کے جذبات کی عکاسی نہیں کرتے،اسی طرح 5٪ ایسی خواتین ہیں جن کے نزدیک تحریک کے مطالبات جائز ہیں۔

(Q#16-20)

سوالات:

1۔ کیانوجوان نسل کی بے راہ روی میں میڈیا کا کردار ہے؟

2۔ کیا تحریک حقوق نسواں کے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

3۔ کیا تحریک حقوق نسواں مسلم معاشرے کے خلاف ایک مغربی ایجنڈا ہے؟

4۔ کیا اس تحریک کا مقصد مسلم معاشرہ خصوصاً پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنا ہے؟

	Frequency تعداد	Percent فیصد
1۔ہاں	41	41%
2۔ نہیں	18	18%
3۔کسی حد تک متفق	41	41%
4۔ٹوٹل	100	100%

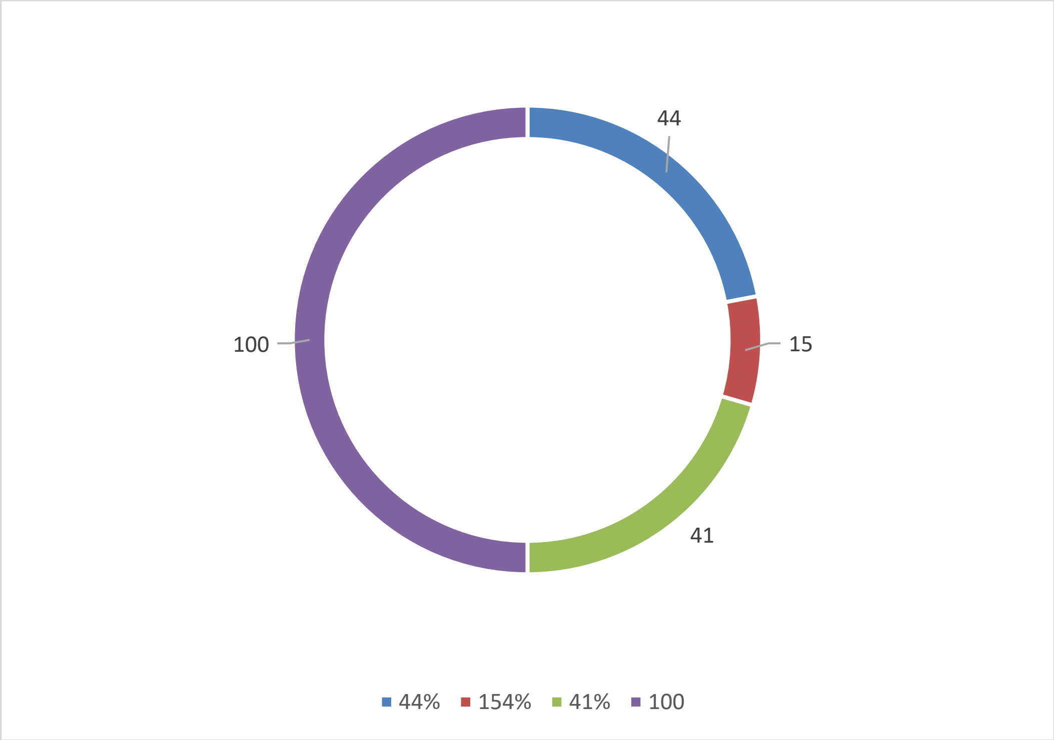

سوالات16 تا20کا تجزیہ:

مندرجہ بالا ٹیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ ٪44خواتین اس تحریک کے منفی اثرات پر ہاں میں اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں و مباحثہ اور تکرار کرتے ہیں۔جس میں سے ٪15 خواتین اسے مغربی ایجنڈا قرار دیتی ہیں ۔جب کی ٪41ایسی ہیں جن کی رائے میں اس تحریک کا مقصد خاندانی نظام کی تباہی اور اس میں میڈیا کے کردار کو وجہ قرار دیتی ہیں۔

(Q#21-25)

سوالات:

1۔ کیاموجودہ معاشرتی مسائل کی بنیادی وجہ خواتین کی دینی تعلیمات سے دوری ہے؟

2۔ کیااس تحریک کے منفی پہلو سے متعلق اقدامات لینا ریاست کی ذمہ داری ہے؟

3۔ کیاخواتین کو ملکی معیشت میں کردار ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہیے؟

4۔ کیاملک میں بڑھتی ہوئی طلاق کی اہم وجہ خواتین کا خود مختار ہونا ہے؟

5۔ کیاان مسائل کا حل قرآنی تعلیمات اور اسلامی قوانین کا نفاذ ہے؟

	Frequency تعداد	Percent فیصد
1۔ہاں	41	41%
2۔ نہیں	18	18%
3۔ کسی حد تک متفق	41	41%
4۔ٹوٹل	100	100%

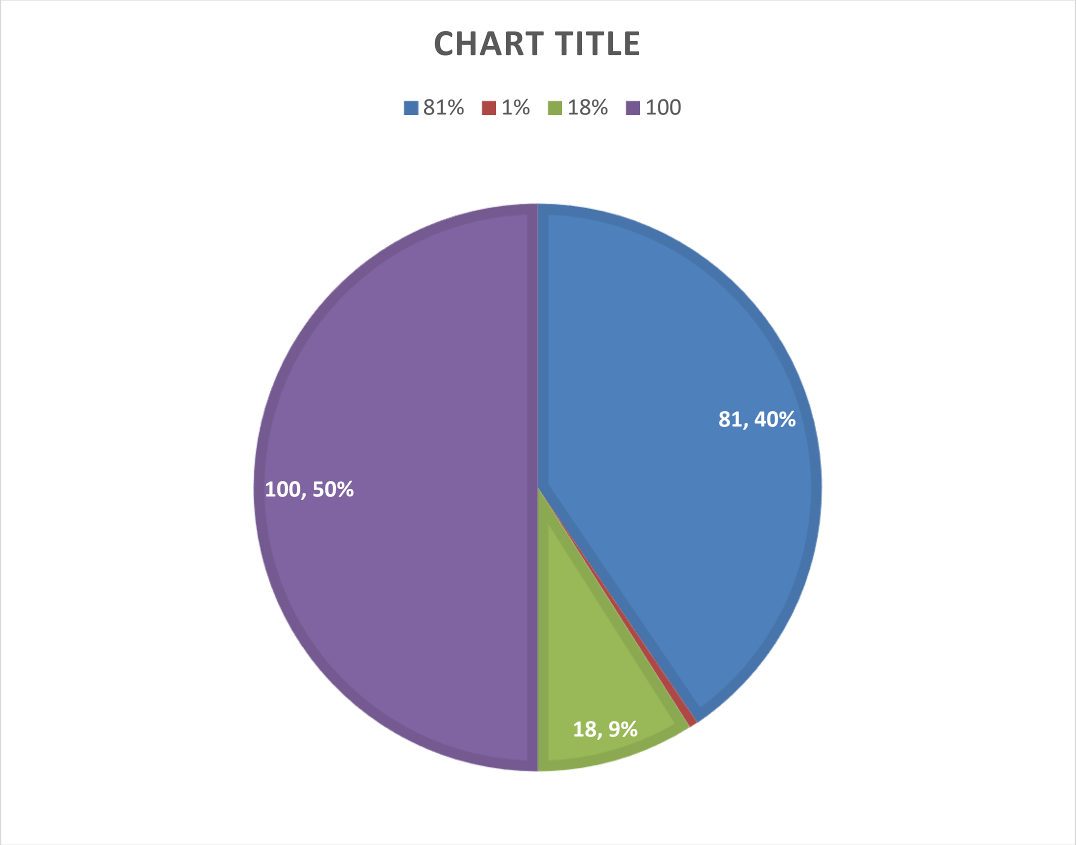

سوالات 21 تا 25 کا تجزیہ:

مندرجہ بالا شماریاتی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ 81٪ خواتین کا کہنا ہے کہ ان مسائل کی وجہ دین سے دوری اور ان کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔جب کہ ان میں سے 1٪ افراد کا کہنا ہے کہ طلاق کی شرح میں اضافہ خواتین کی خود مختاری ہے۔جب کے 18٪ ایسی خواتین ہیں جنہوں نے خواتین کے معیشت میں کردار ادا کرنے میں حامی بھری اور ان کے نزدیک ریاست کو تحریک نسواں کے منفی پہلوؤں سے متعلق اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔

سروے کا تجزیہ:

سروے کا مقصد لٹریچر کے ذریعے حاصل ہونے والے مواد کی جانچ پڑتال کرنا تھا تاکہ تحریک حقوق نسواں کے اثرات کے بارے میں عوام خصوصا نوجوان نسل کی رائے لی جاسکے۔ یہ سروے ایک سوالنامے پر مشتمل ہے اور یہ سروے 18 سے 35 سال کے مرد و خواتین سے لیا گیا۔

اس سروے میں سوالات کی نوعیت یوں تھی کہ نوجوان سوالات کے جوابات میں سوالات سے متفق ہونے یا نہ ہونے کا اظہار کرسکتے تھے سروے میں نوجوانوں نے تحریک حقوق نسواں سے آغاز و ارتقاء سے کچھ حد تک واقفیت کا اظہار کیا لیکن ایک بڑی تعداد میں نوجوان اسے آزادی مارچ یا خواتین مارچ کے نام سے جانتے تھے۔ تحریک کے مقاصد جن پر تحریک کا آغاز ہوا نوجوان اس کی حمایت کرتے نظر آئے لیکن بعد میں اس تحریک کے بدلتے مقاصد سے متعلق نوجوانوں نے ملتی جلتی رائے کا اظہار کیا کچھ لوگ اس کے بالکل حق میں اور کچھ بالکل اس کی مخالفت میں رائے دیتے نظر آئے۔ اس تحریک کے اثرات کے حوالے سے ملازمت پیشہ خواتین کا کہنا تھا کہ اس تحریک کے مقاصد درست ہیں خواتین کو ملازمت کا حق اور جنسی ہراسگی سے تحفظ ملنا چاہیئے جب کہ چند خواتین کا کہنا تھا کہ خواتین کا اصل اس کا گھر اور اولاد کی تربیت ہے اگر اس میں کوئی خلل نہ ہو تو خواتین باہر ملازمت کرسکتی ہیں اس تحریک کے خاندانی نظام پر اثرات کے حوالے سے لوگوں کی اکثریت اس رائے سے متفق نظر آئی کہ اس تحریک نے جہاں خواتین کو ان کے حقوق دلانے میں مدد کی وہیں اس تحریک نے پاکستان کے خاندانی نظام میں ایک انتشار بھی پیدا کر دیا کہ خواتین ملازمت کو اپنی گھریلو زندگی پر ترجیح دیتی ہیں جس سے گھریلو ذمہ داریاں ادھوری رہ جاتی ہیں اور باہر کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے جس سے بعض اوقات گھریلو ناچاقیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح نوجوان نسل کی تربیت بھی متاثر ہوتی ہے والدین کی عدم توجہ بچوں میں بہت سے مسائل کو جنم دیتی ہے نوجوان نسل اس تحریک کی حامی نظر آتی ہیں لیکن اس تحریک کے بعض منفی پہلوؤں کی وجہ سے وہ اس تحریک کو تنقید کا نشانہ بھی بناتے ہیں کہ اس تحریک کے موجودہ طرز عمل کی وجہ سے خواتین کے اصل مسائل عدم توجہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ علماء دین اس مسئلے کا حل اسلامی تعلیمات اور اسلامی قوانین کے نفاذ کو قرار دیتے ہیں تاکہ ان مسائل سے نمٹا جاسکے۔

انٹرویوز کا انعقاد

بحث اور نتائج:

انٹرویو کے انعقاد کا مقصد تحریک برائے حقوق نسواں کے اثرات کے خاندانی نظام پر اثرات اور اسلامی تعلیمات کے نقطہ نظر سے اس کا حل تلاش کرنے کے لیے کیا گیا۔ تو گویا یہ سوال کہ اسلام نے عورت کو معاشی ،معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے آزادی نہیں دی تو علماء کے مطابق اسلام نے عورت مطلقاسیاسی ،معاشرتی اور معاشی آزادی نہیں دی بلکہ کچھ حدود و قیود مقرر کی ہیں اسلام نے یہ بتایا ہے کہ عورت کا اصل اس کی چاردیواری ہے یعنی اس کی اصل ذمہ داری اندروں خانہ سرگرمیوں کو دیکھنا، گھر سنبھالنا، بچوں کی تربیت اور گھر کے افراد کی دیکھ بھال ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے عورت کو یہ بھی اجازت دی ہے کہ اگر عورت اپنی کسی ضرورت کے تحت خواہ وہ معاشی ضرورت ہو یا معاشرتی ضرورت ہو اگر وہ کسی ضرورت کے تحت یا مجبوری کے تحت گھر سے باہر نکلنا چاہتی ہے تو اسلام نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ اس صورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلام اسے اس صورت میں پردے کا حکم بھی دیتا ہے۔اس طرح جہاں اختلاط کا اندیشہ ہو یا عفت وحیا متاثر ہوتی ہو ایسی جگہوں میں جانے یا ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کرتا ہے۔ لیکن یہ موجودہ تحریکیں خواتین خصوصا نوجوان بچیوں کی سماجی اور عملی طرز زندگی کو بدلنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں اس تحریک کے غلط مقاصد نوجوانوں میں غلط خیالات ، ناجائز تعلقات کو فروغ دینے ،شادی جیسے پاک رشتے سے نفرت اور اپنے ہی والد اور بھائیوں کے مدمقابل لا کر ان کی ذہن سازی کا ایک آلہ بن گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں نوجوان بچیاں صحیح اور غلط میں فرق کرنے سے قاصر ہیں۔

اسکالرز کے مطابق تحریک برائے حقوق نسواں کا یہ انداز خواتین کے اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ جس سے خواتین کو ان کے جائز حقوق بھی میسر نہیں ہوتے۔اسی وجہ سے نوجوان نسل کے اخلاقی اقدار زوال کا شکار ہو رہے ہیں۔ تحریک آزادی نسواں کے قابل اعتراضات مطالبات سادہ اور گھریلو خواتین پر منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں جس سے خاندانی نظام متاثر ہو رہا ہے۔ مغربی ممالک پاکستانی خاندانی نظام کو جو اس نظام کی بنیادی اکائی ہے نقصان پہنچانے کی غرض سے ایسے ہتھکنڈوں کا استعمال کر رہا ہے جس سے ہماری نوجوان نسل خصوصا خواتین بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ مغرب آزادی کے لفظ کو اس حسین انداز سے پیش کرنے میں مصروف ہے کہ ہمارے معاشرے کی خواتین اس کے پیچھے کے مذموم عزائم سے بے خبر ہیں۔

اسلام مرد و زن میں مساوات کا درس دیتا ہے لیکن اسلام نے دونوں کے دائرہ کار میں فرق رکھا ہے تاکہ یہ آپس میں باہمی محبت و مودت کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے سکون کا باعث بنیں۔ لہذا مطالعہ اسلام کی روشنی میں

حل تلاش کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام عورت کا اصل محور اس کے گھر اور اس کی چاردیواری کو قرار دیتا ہے لیکن مجبوری یا ضرورت کے تحت وہ بعض حدود کے ساتھ گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ اسلام عورت کو بہت سے معاملات میں صنفی رعایت بھی دیتا ہے جن میں ایک مرد کو رعایت حاصل نہیں۔ مثلاً عبادات، جہاد، معاش میں۔ کیونکہ اسلام میں عورت کا معاشی کفیل اس کا باپ، بھائی، بیٹا، شوہر ہے اسلام عورت پر معاشی بوجھ نہیں ڈالتا۔ اسی طرح اسلام یں عورت کو وراثت میں بھی حق دار بنایا گیا ہے اسے باپ اور پھر شوہر کے جائیداد میں وارث بنایا گیا ہے اس کے برعکس مغرب کی عورت اس سے محروم ہے۔ مزید یہ کہ اسلام عورت کو پسند کی شادی اور پھر اگر زوجین میں کسی صورت نباہ ممکن نہ ہو تو عورت کو خلع کا حق بھی دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام عورت کی عفت وعصمت کا بھی خیال کرتا ہے ایسے تمام کاموں سے ممانعت کرتا ہے کہ جس میں خواتین کے کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

نیز یہ کہ خواتین کو ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے ریاستی طور پر قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے جو قوانین بنائے گئے ہیں ان پر عمل درامد کو یقینی بنایا جائے تا کہ عورتوں کی عزت اوران کے حقوق محفوظ ہو سکیں۔
رہی بات آزادی مارچ کی تو علماء کی اس مارچ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ آزادی مارچ جو منعقد کیا گیا وہ قرآن وسنت کے منافی ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں ایسے مارچ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جس میں مرد وعورت کا اختلاط ہو، خواتین نیم برہنہ حالت میں ہوں اور رقص وموسیقی کی محفل سجی ہو، اسی طرح وہ ادارے جو ان کی سپورٹ کرتے ہیں کہ وہ ایسے بینرز اویزاں کریں جس کی شریعت تو کیا اخلاقی اقدار میں بھی گنجائش نہیں ان کے خلاف ضرور اقدامات ہونے چاہیئے کیونکہ بحیثیت اسلامی ملک یہ تحریکیں ملکی ثقافتی اور اخلاقی بگاڑ کا باعث ہیں۔

لہٰذا یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سب سے پہلے خواتین کا دائرہ کار جو اسلام نے متعین کیا ہے اسے جاننا ضروری ہے پھر مثالی خواتین جن کی قرآن نے تعریف کی اور حدیث میں جن کی صفات آئی ہیں خواتین کو اس سے متعلق Awarness دی جائے کہ مثالی خواتین کی کیا صفات ہیں اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں تا کہ وہ اپنا وقت، اپنے وسائل اور اپنی قوت کو ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں صرف کرے۔ اس سے بہت سے مسائل حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جہاں تک معاشی اور معاشرتی آزادی کی بات ہے تو اسلام مجبوری کی حالت میں اسے حدود وقیود کے ساتھ گھر سے نکلنے کی اجازت دیتا ہے۔ جیسا کہ قران کی آیت وتبرجن فی بیعو تکن سے صاف ظاہر ہے۔

خواتین کے لیے دینی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ خواتین کو ایمانداری سے اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے تیار کیا جائے۔ اگر خواتین کے لیے ملازمت کا دائرہ وسیع کیا جائے تو ان کے لیے چند شعبہ جات کو مخصوص کیا جائے جہاں فتنہ اور فساد کا اندیشہ کم ہو مثلاً میڈیکل کا شعبہ، ٹیچنگ، اسی طرح بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت، بچوں

کی نفسیات، ہوم اکنامکس، اور دیگر ووکیشنل ٹریننگ کا اہتمام کیا جائے تا کہ وہ اپنی قوت کے مطابق معیشت میں بھی کردار ادا کر سکے۔ اسی طرح خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی کی جائے اور اس پر عمل درآمد کو ممکن بنایا جائے ۔ تا کہ ایسے مسائل سے محفوظ رہا جاسکے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ اس موضوع پر اپنا کردار ادا کرے اور خواتین کے تحفظ اور ان کے حقوق سے متعلق اپنا کردار ادا کرے اسی طرح ایسے پر گرامز کا اہتمام کرے جو خاندانی نظام کی بقاء اور استحکام میں موثر کردار ادا کر سکے ایسے ہی علمائے دین اپنے خطبات اور تدریسی کاموں کے ذریعے لوگوں کو عورتوں کے حقوق سے متعلق آگاہ کرتے رہیں۔ اور خواتین اپنے اصل محور یعنی اپنے گھر کی ذمہ داریاں پوری امانت داری سے انجام دیں خصوصا بچوں کی تربیت کا اہتمام کریں تا کہ وہ ایک اچھی نسل تیار کر سکیں جو کہ معاشرے کے کے لیے مفید ثابت ہو سکے اور نتیجۃً معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکے۔

خلاصہ باب:

تحریک نسواں کا آغاز خواتین کے لیے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے ہوا تھا جس میں خواتین کو بہت سے بنیادی حقوق مثلاً ووٹ کا حق، ملازمت کا حق، جداگانہ حیثیت، معاشی تقویت جیسے حقوق میسر آئے مگر گزرتے وقت کے ساتھ ان کے مطالبات میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ مساوات کے بجائے خواتین مردوں کے مدمقابل آکھڑی ہوئیں نتیجتاً خواتین کی معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھا اور خواتین نے گھریلو ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس کے سنگین نتائج برآمد ہوئے خواتین کا گھر، ان کے بچوں کی تربیت متاثر ہونے لگی، گویا کہ اس تحریک کے اثرات کی لپیٹ میں نہ صرف ملازمت پیشہ بلکہ گھریلو خواتین بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں۔ گھریلو جھگڑے، طلاق کی شرح میں اضافہ، گھریلو تشدد، جنسی بے راہ روی، گھریلو ذمہ داریوں سے عدم توجہی، اور بے روزگاری جیسے مسائل میں اضافہ ہوا۔ خواتین پر اس تحریک کے اثرات سے متعلق جو سروے کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ خواتین اس تحریک کی خواہشمند تو ہیں مگر اس کے نتیجے میں دوہری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں جس سے مرد و عورت میں صنفی امتیاز بھی ختم ہو رہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ خواتین کے مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تحریک کا مقصد آغاز خواتین کے لیے بہت فائدہ مند تھا لیکن اب خواتین کے بدلتے مطالبات کی وجہ سے خواتین کے اصل مسائل سے توجہ ہٹ رہی ہے اس سروے کے بعد حاصل ہونے والی معلومات اور ان مسائل کے حل کے لیے علماء سے انٹرویوز لیے گئے تاکہ ان کا حل تلاش کیا جاسکے۔ علماء کے نزدیک اس مسئلے کا واحد حل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور عورت کا اسلام میں موجود اپنے حقوق سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔ اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے مزید اقدامات کرے اور پہلے سے موجود قوانین پر عمل درامد کو یقینی بنائے تاکہ خواتین اور خاندانی نظام کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔ خواتین اور مرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اسی طرح خواتین معاشرے کی ترقی میں حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے اپنا مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں تاکہ اس کا گھر اور بچوں کی تربیت متاثر نہ ہو۔

باب چہارم

تحریک حقوق نسواں اور پاکستانی خاندانی نظام کا اسلامی تناظر میں جائزہ

فصل اول: قرآن و سنت کی روشنی میں عورت کی معاشرتی حیثیت

فصل دوم: تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا اسلامی تناظر میں جائزہ

فصل سوم: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے معاشرتی کردار کا دائرہ کار

فصل اول

قرآن وسنت کی روشنی میں عورت کی معاشرتی حیثیت

فصل اول:

قرآن وسنت کی روشنی میں عورت کی معاشرتی حیثیت

اسلام میں عورت کا مقام جب اسلام کا آفتاب عالم نمودار ہوا تو اس کی ضیاء پاش کرنوں نے توہمات کے پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور کر دیا صنف نازک کو ذلت و پستی سے نکال کر اس کو عظمت و رفعت کے مقام عظیم پر فائز کیا۔ اسلام نے ایک عالمگیر نظام دیا جس نے صنف نازک کے بارے میں مشہور پنیڈورا جیسے افسانے کو باطل قرار دیا اور رومن کیتھولک فرقے جیسی رائج تعلیمات کو ختم کر دیا اور ایسا نظام قائم کیا کہ تمام جاہلانہ رسومات، بدعات اور نظریات کو بالائے طاق رکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ عورت کی ممتاز حیثیت ہے۔

اس کے بعد عورت نہ تو زندہ درگور ہونے لگی اور نہ شوہر کے ساتھ چتا میں جلنے لگی اور نہ ہی بتوں اور دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھنے لگی اور اسلام نے اس کو بچپن میں شفقت، جوانی میں محبت اور بڑھاپے میں عظمت دی اسے اظہار رائے کی آزادی اور اس کو وراثت میں مکمل حصہ دیا گیا۔ اسلام کی آمد بہت سے پہلوؤں سے انقلابی تھی، مثال کے طور پر اس نے عورتوں کو جائیداد پر قانونی حق دیا جو کہ یورپ کے اکثر ملکوں کی عورتوں کو انیسویں صدی تک بھی حاصل نہ ہو سکا، ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو دنیا اس حقیقت سے نا آشنا تھی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہو سکتے ہیں، دنیا کے دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کے برعکس اسلام نے عورت کے مرتبہ مقام اور فلاح و بہبود کیلئے خاص اقدامات کیے۔ جن کے عملی نفاذ سے عورت کو اس کے تمام حقوق میسر ہوئے ہیں اور اس کے جملہ مسائل احسن طریقے سے ادا ہو جاتے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے اور ہر شعبہ ہائے زندگی کے اندر اس نے اعتدال اور توازن برقرار رکھا ہے اس نے انہیں کہا کہ عورت کو ایک لونڈی ایک خادمہ اور ایک مظلوم مخلوق بنا دے اور اس طرح اسے شرف انسانیت سے محروم کر دے اور نہ اس کی تعلیم ہے کہ عورت کو خاتون خانہ کی بجائے شمع محفل بنا دیا جائے، اسے اشتہار کی علامت بنا کر ذلیل و رسوا کیا جائے بلکہ اسلام نے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے یہ معتدل راہ اختیار کی ہے جو تہذیب معاشرہ کیلئے مفید ثابت ہو۔ اسلام نے ایک طرف عورت کو شرف انسانیت سے آراستہ کیا اور حقوق سے نوازا و دوسری طرف اس کے اخلاق و کردار کا تحفظ کیا اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق اسے ذمہ داریاں سونپیں اور عورت کے ہر روپ میں ماں، بیوی اور بہن ہر حیثیت کیلئے احترام پیدا کیا اور اس کے تمام مسائل حل کیے اور اسے فلاح کی منزل سے ہمکنار کیا، اس سلسلے میں اسلام کی نظر میں عورت کے حقوق اور اس کی حیثیت کو بیان کیا جائے گا۔

عورت بطور ماں:

عورت بطور ماں کائنات کا رنگ اور سب سے بڑی حقیقت ہے، عورت بطور ماں معراج انسانیت ہے، ماں کے قدموں تلے جنت ہے، مذہب اسلام میں اسے جس درجہ عظمت، برتری اور جتنی فضیلت دی گئی ہے، اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث میں ہے کہ:

((من أحق الناس بحسن صحابتی(قال امک)قال ثم من ؟(قال أمك)قال ثم من ؟(قال أمک) قال ثم من؟(قال أبوك))[1]

ترجمہ: کسی نے پوچھا لوگوں میں سے کون میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار فرمایا تمہاری ماں پھر پوچھا گیا، اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں، پوچھا گیا، اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں، پوچھا گیا اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔

یعنی اس (ماں) کا مرتبہ سہ گنا ہے۔

عورت بطور بیوی:

اسلام نے جہاں عورت کو بطور ماں عزت عطا کی وہیں بطور بیوی اس کا درجہ بلند کیا۔ اس کی ملکیت کا حق دیا گیا، مہر کا تعین نان ونفقہ کی وضاحت کے علاوہ ناچاقی کی صورت میں خلع کا اختیار بھی ودیعت کیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بار بار مردوں کو اسکے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے، زمانہ قدیم سے گڑیاں لڑکیوں کے کھیل میں شامل رہی ہیں، ان کے ذریعے لڑکیوں کو خانگی نظم ونسق، سینے پرونے اور بچوں وغیرہ کی تربیت کھیل ہی کھیل میں تعلیم ملتی رہتی ہے۔ عرب میں لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، «فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ، فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي))[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (یعنی نکاح و رخصتی کے بعد آپ ﷺ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لئے میرے پاس بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے

1۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، ح:1127

2۔ ایضا، کتاب المعاملات والمعاشرت، ح:1430

اس احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرمادیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آ کے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔

یہ رسول ﷺ کے اخلاق کی بلندی ہے کہ آپ ﷺ نے شادی کے بعد اپنے گھر پر حضرت عائشہ کی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کا بخوشی موقع فراہم کیا، اس میں کم عمروں کی نفسیات کی رعائت بھی ہے کھیل کو دسے منع کرنے میں ان کی نفسیات کو دھکا لگتا ہے۔

عورت بطور بیٹی:

اسلام میں عورت کو بحیثیت بیٹی بہت اہمیت دی گئی ہے اور بیٹی کو رحمت سے تشبیہ دی گئی ہے اسلام سے قبل بیٹی کو زندہ در گور کیا جاتا تھا لیکن اسلام نے بیٹی کو اہمیت دی اور قرآن و حدیث میں بیٹی کی پرورش کرنے والے کے لیے اجر و ثواب کا تذکرہ بھی آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ:

((عن عائشةرضي الله عنهاقالت: جَاءَتنِي مِسْكِينَة تَحمِل ابنَتَين لها، فَأَطْعَمْتُها ثَلاثَ تَمَرَات، فَأَعْطَت كُلَّ وَاحِدَة مِنهُما تَمْرَة وَرَفَعت إِلَى فِيهَا تَمْرَة لِتَأْكُلَها، فاسْتَطْعَمَتْها ابْنَتَاهَا، فَشَقَّت التَّمْرَة التي كانت تريد أن تَأْكُلَها بينهما، فَأَعْجَبَنِي شَأْنُهَا، فَذَكَرت الذي صَنَعَتْ لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إِنَّ الله قَدْ أَوجَبَ لَهَا بِهَا الجَنَّة، أَو أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّار))[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور سوال کیا، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، میرے پاس کچھ بھی نہ تھا سوائے ایک کھجور کے میں نے وہ اسے دے دی، اس نے کھجور کو دو حصوں میں تقسیم کرکے بچیوں کو دیا خود نہ کھایا جب آپ ﷺ آئے تو میں نے واقعہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " جس نے بھی بیٹیوں کے ساتھ ایسا کیا تو اس نے خود کو آگ سے محفوظ کر لیا۔

عورت اور نکاح:

نکاح کے لیے لازمی ہے کہ دونوں یعنی مرد اور عورت رضامند ہوں، بالخصوص عورت کی رضامندی کے

1۔ القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، باب الشفقة والرحمة، ح: 421

بغیر نکاح ممکن نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو نکاح کرنے میں بھی اپنی مرضی شامل کرنے کا حق دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کرو اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کرو۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! اس کی اجازت کیسے ہو گی فرمایا کنواری عورت کا چپ ہو جانا ہی اس کی اجازت ہے۔

حقوق نسوانی:

اسلام نے عورت کو حق دیا کہ وہ انفرادی طور پر کاروبار اور معاشرتی روابط قائم کر سکتی ہے، جائید ادر کھ سکتی ہے، غرض ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتا ہے۔ صحابیات اور دیگر معروف خواتین کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ملازمت، کاروبار زراعت، طب اور دیگر شعبوں میں آزادانہ کام کیا۔ نیکی، بدی تقوی اور قانون میں عورت بھی اپنے اعمال کے لئے اس طرح جواب دہ اور ذمہ دار ہے جس طرح مرد، اعمال کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ مسلمان عورت بھی اپنی زندگی کے مقاصد اور فرائض کو پہچانے خود قرآن مجید میں بیان ہے جو مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]

ترجمہ: ہر جن وانس کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ خالق حقیقی کی عبادت کرے۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کو احترام دیا، اسے ذلت و رسوائی کی دلدل سے نکال کر عزت کے تخت پر بٹھایا، حیا، عفت اور غیرت کو دین کی بنیادی قدریں بتائیں اور معاشرے میں بھی اس بات کی ترویج اور اشاعت پر زور دیا۔ قرآن پاک میں ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ﴾[2]

ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم بخشی اور انہیں خشکی اور تری پر سواریاں مہیا کیں اور پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔

اس آیت کے حوالے سے انسان کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا ہے کہ ہم نے انسان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت جو عزت بخشی ہے اور تمام ضروری صلاحیتوں سے جو آراستہ کیا ان میں تخلیق کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ:

2۔الزارعات:56

1۔الاسراء:70

((لايتفاخرالبعض على البعض لكونهم أبناء رجل واحدوامرأة واحدة))[1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے کیونکہ تم سب ایک ہی مرد کی اولاد ہو اور ایک ہی عورت کی اولاد ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ ﴾))[2]

ترجمہ: اے لوگو بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے قبیلے اور گروہ بنائے تاکہ تم پہچانے جاسکو بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سے متقی ہے۔

انسانی زندگی کی گہما گہمی اور نشیب و فراز میں ہمیشہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے مددگار اور معاون رہے ہیں، مرد اور عورت دونوں شانہ بشانہ مصروف عمل نظر آئے ہیں، زندگی مرد اور عورت دونوں کی محتاج ہے۔ عورت اس لیے نہیں پیدا کی گئی کہ اسے دھتکارا جائے اور شاہراہ حیات سے اسے کانٹے کی طرح مٹا دیا جائے۔ جس طرح مرد اپنا مقصد وجود رکھتا ہے اسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خصوصی فرمایا:

((فاتقوالله في النساء))[3]

ترجمہ: عورتوں کے سلسلے میں اللہ تعالی سے ڈرو۔

حق مہر:

اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اکثر لوگ جب اپنی بیویوں کو علیحدہ کرتے تھے تو نہ عورت کو حق مہر دیتے تھے اور نہ ہی خوش اسلوبی سے رخصت کرتے تھے، اس لئے معاشرے میں بے حیائی عام ہو گئی تھی۔ اسلام نے جہاں عورت کو دیگر بے شمار حقوق سے نوازا وہاں اس کے حق مہر کیلئے بھی باضابطہ قانون بنا دیا اس قانون کی رو سے حق مہر کا بنیادی مقصد بیوی کو تحفظ دینا ہے۔

2۔ الرازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1980)، 131/8

3۔ الحجرات: 13

1۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، (دار المعرفہ، بیروت، 1971)، 54/4

عورت کا نان نفقہ:

عورت کا نان نفقہ ہر حالت میں مرد کے ذمہ ہے۔ اگر بیٹی ہے تو باپ کے ذمہ۔ بہن ہے تو بھائی کے ذمہ، بیوی ہے تو شوہر پر اس کا نان و نفقہ واجب کر دیا گیا اور اگر ماں ہے تو اس کے اخراجات اس کے بیٹے کے ذمہ ہے ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعًۢا بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ [1]

ترجمہ: خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی توفیق کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔

وراثت میں عورت کا حق:

بعض مذہبوں کے پیشِ نظر وراثت میں عورت کا کوئی حق نہیں ہوتا، لیکن ان مذہبوں اور معاشروں کے برعکس اسلام نے وراثت میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ دلوایا۔ اس کے لیے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ﴾ [2]

ترجمہ: مرد کو عورتوں کے دو برابر حصے ملیں گے۔

یعنی عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے، اسی طرح وہ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے، اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے باقاعدہ وراثت کی حق دار ہے۔

اشتراکی جمہوری معاشرہ اور عورت:

اشتراکی معاشرہ بھی عورت کے حقوق کے بارے میں بہت بلند بانگ دعوے کرتا ہے لیکن اپنے معاشرے میں عورت کی حالت زار پر پردہ ڈالتے ہوئے یہ غلط پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ اس نے عورت کو مرد کے برابر تمام حقوق دے دیے ہیں اور مساوات مرد وزن کے نظریے کو عملی طور پر ثابت کر کے دکھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بھی روسی عورت مظلوم ہے اور اس کی یہ مظلومیت اپنے اندر گئی پہلو رکھتی ہے مثلاً عورت پر کام کا دوہرا بوجھ ہے، اسے گھر بھی سنبھالنا ہے، دفتر یا کارخانے میں بھی سارا دن کام کرنا ہے اس کے علاوہ تنخواہوں کا فرق اور شاپنگ کے لیے لمبی قطاروں میں کھڑے رہنا مناسب رشتے کا نہ ملنا سیاسی طور پر بھی عورت کو اعلی مناسب سے محروم رکھنا وغیرہ۔ [3]

1۔ البقرہ:236

2۔ النساء:11

1۔ عابدہ علی، عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینے میں، (قرآن منزل سمن آباد، لاہور)، ص:227

فصل دوم

تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا اسلامی تناظر میں جائزہ

فصل دوم:

تحریک حقوق نسواں کے اثرات کا اسلامی تناظر میں جائزہ

اسلام میں مسلمان عورت کا بلند مقام اور ہر مسلمان کی زندگی میں مؤثر کردار ہے۔ صالح اور نیک معاشرے کی بنیاد رکھنے میں عورت ہی پہلا مدرسہ ہے، جب وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول کو تھام لینا ہی ہر جہالت و گمراہی سے نجات کا سبب ہے۔ قوموں کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالیٰ کی شریعت سے دوری ہے جس کو انبیاء کرام قوموں کی فلاح و بہبود کے لئے لے کر آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((يا أيُّها النَّاسُ إنِّي ترَكْتُ فيكُم مَن ما إن أخَذتُمْ بِهِ لن تَضلُّواكتابَ اللَّهِ، وسنتي)).[1]

ترجمہ: میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک ہے اللہ کی کتاب، اور میری سنت۔

قرآن مجید میں عورت کی اہمیت اور مقام کے بارے میں کئی ایک آیات موجود ہیں۔ عورت خواہ ماں ہو یا بہن ہو، بیوی ہو یا بیٹی ہو، اسلام نے ان میں سے ہر ایک کے حقوق و فرائض کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ ماں کا شکر ادا کرنا، اس کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور خدمت کرنا عورت کے اہم ترین حقوق میں سے ہے۔ حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنے کے سلسلے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے، کیونکہ بچے کی پیدائش اور تربیت کے سلسلے میں ماں کو زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اسلام نے ان تمام تکالیف کو سامنے رکھتے ہوئے ماں کو زیادہ حسن سلوک کا مستحق قرار دیا، جو اسلام کا عورت پر بہت بڑا احسان، یہاں پر ان حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے جو اسلام نے عورت کو دیے، بلکہ ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اسے ادا کرنے کا حکم بھی صادر کیا۔

حسن سلوک:

خانگی زندگی میں حسن سلوک بہت اہمیت کا حامل ہے اسی لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روزمرہ کی زندگی میں عورت کیساتھ حسن سلوک کی سفارش کی ہے۔

1۔ ترمذی، ابو عیسی، جامع الترمذی، حدیث: 3786

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ (1)

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی سے گذر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر بڑی منفعت رکھ دے۔

اس آیت میں میاں بیوی کے تعلقات کا ایسا جامع دستور پیش کیا گیا ہے جس سے بہتر کوئی دستور نہیں ہو سکتا اور اگر اس جامع ہدایت کی روشنی میں ازدواجی زندگی گزاری جائے تو اِس رشتہ میں کبھی بھی تلخی اور کڑواہٹ پیدا نہ ہو گی۔

مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا مطلب ہے کہ .بیوی کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کیے جائیں اور اس کی جائز اور معقول ضروریات پوری کی جائیں۔ اس کے ساتھ ناروا سلوک نہ کیا جائے، بلکہ پیار اور محبت کا برتاؤ کیا جائے۔ ترش روئی اور سخت کلامی سے اجتناب کیا جائے۔ یہ سب باتیں معروف میں آتی ہیں۔ اس کے خلاف جو رویہ اختیار کیا جائے گا وہ غیر معروف اور منکر ہو گا۔ (2)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی سفارش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((استوصو بالنساء فان المراۃ خلقت من ضلع و ان اعوج شی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیم کسرت وان ترکت لم یزل اعوج فاستوصو بالنساء)) (3)

ترجمہ: عورتوں کے بارے میں مجھ سے نصیحت حاصل کر لو بے شک عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہوتی ہے ،اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورت کے بارے میں وصیت حاصل کر لو"

1۔ النساء:19

2۔ عمری، جلال الدین، اسلام کا عائلی نظام، (مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، 2017ء)، ص:24

3۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء)، حدیث: 5186

جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی سفارش آجائے اس معاملے کی سنگینی، نزاکت اور اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو جانا چاہیے۔ عورتوں سے حسن سلوک کی تاکید وہ واحد معاملہ ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے زیادہ نصیحت کی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کو کامل ایمان کی علامت قرار دیا ہے:

((ان من اکمل المومنین ایمانا أحسنهم خلقا والطفهم باهلہ))[1]

ترجمہ: مومنین میں سے اس کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو اور خاص کر اپنی بیوی کے ساتھ جس کا رویہ انتہائی لطف و محبت کا ہو۔

مزید فرمایا:

((خیرکم خیرکم لاھلی وانا خیرکم لاھلی))[2]

ترجمہ: تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی بچوں) کی نظر میں اچھا ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں اچھا وہی ہو گا جو اُن کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو۔ اور بیوی کے حقوق کیا ہیں جب اس بارے میں آپ ﷺ سے استفسار فرمایا تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

((ان تطعمهااذا طعمت وتکسو هااذااکتسیت اواکتسبت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح))[3]

ترجمہ: یہ کہ تو اس کو کھلائے اور اس کو پہنائے جو تو خود پہنے، اور اس کے چہرے پر نہ مار اور نہ اسے برا بھلا کہہ۔"

عورت کو بھی مرد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے، اس کے مزاج، پسند و ناپسند کا خیال رکھے، جب کوئی حکم دے تو بجالائے، شوہر گھر آئے تو اس کے آرام و سکون کا خیال رکھے، اس کے اعزہ و اقارب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، اس کے والدین بہن بھائیوں اور اگر دوسری بیوی سے اولادیں ہوں تو ان کے ساتھ بھی احسان کا رویہ اپنانا چاہیے۔ جس طرح حضرت سودہؓ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی بچیوں کی دیکھ بھال اور تربیت کی کٹھن ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کیا انہیں حقیقی ماں جیسا پیار دیا، حضرت فاطمہؓ کی شادی میں تمام ازواج مطہرات کی شمولیت کرنا خواتین کے لیے بھی قابل تقلید نمونہ ہے کہ مرد کے حسن سلوک کے

1۔ ترمذی، ابو عیسیٰ، جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب فی ضرب النساء، حدیث: 2146

2۔ ایضا، باب ابواب البر والصلۃ، حدیث: 3895

3۔ ایضا

جواب میں عورت کس طرح سے احسان کی روش اپنا سکتی ہے۔ کیونکہ نرمی محبت اور خدمت و اطاعت دلوں کے بند دروازے کھول دیتی ہے۔ نفرت وعداوت کا خاتمہ کرتی ہے اور خاندان کی بنیادوں کو باطنی استحکام فراہم کرتیں ہیں۔

اسلام اور مخلوط تعلیم:

اسلام میں تعلیم نسواں سے روکا نہیں گیا، البتہ اسلام تعلیم کے ان طریقوں سے منع کرتا ہے جو صنف نازک کو اس کی نسوانیت سے محروم کرکے حیاباختہ اورآوارہ بنادے، اسلام مردوزن کے بے حجابانہ اختلاط کو انسانی معاشرہ کے لیے تباہ کن قرار دیتا ہے، اس سے شرم وحیاء کا جنازہ نکلتا ہے، بدکاری اور بے حیائی کی راہ ہموار ہوتی ہے، اسلام مردوخواتین کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، چنانچہ قرآن میں مردوخواتین میں سے ہر ایک کو الگ الگ خطاب کرکے نگاہیں نیچے رکھنے کی تاکید کی گئی، نیز خواتین کو حجاب کی تاکید کی گئی اور بے پردہ بن سنور کر باہر نکلنے سے منع کیا گیا، اسلام عفت وپاکدامنی کے تحفظ کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور ہر اس طرز عمل پر روک لگاتا ہے جس سے انسانی معاشرے میں بے حیائی درآتی ہو، اس لیے اسلام نہ صرف مخلوط نظام تعلیم کا قائل نہیں ہے بلکہ اسے انسانی معاشرہ کے لیے سم قاتل قرار دیتا ہے۔

تعلیم نسواں کی اہمیت:

دین اسلام علم ومعرفت ہے، جو قدم قدم پر انسان کو تعلیم کو تلقین کرتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء سے سرفراز فرماکر انہیں مسجود ملائکہ بنایا، اسلام جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تعلیم نسواں کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے، چنانچہ بقدر ضرورت علم سیکھنا مردوعورت دونوں پر فرض کیا گیا ہے، نبی رحمت ﷺ نے خواتین کی تعلیم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَافَيُحْسِنُ تَعْلِيْمَهَا،وَيُؤَدِّبُهَافَيُحْسِنُ أَدَبَهَاثُمَّ يُعْتِقُهَا،فَيَتَزَوَّجُهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ))[1]

ترجمہ: اگر کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرے، اور اسے اچھی تہذیب سکھائے، پھر اسے آزاد کرے، اور اس کی شادی کردے تو اس کے لیے دہرا اجر ہے۔

نیز آپؐ نے خواتین کی تعلیم کے لیے مستقل ایک دن مقرر فرمایا، روایت میں آتا ہے کہ بعض عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپؐ کے پاس ہمیشہ مردوں کا ہجوم رہتا ہے، لہٰذا آپ ہماری تعلیم کے لیے الگ سے

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجھاد، باب فضل من أسلم من اهل الكتابين، ج:3، ح:1096

ایک دن مقرر کیجیے، آپ نے خواتین کی گزارش قبول فرمائی اوران کے لیے ایک دن مقرر فرمایا، اس دن آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے اورانھیں وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔ کسی دن اگر آپ کے لیے جانا ممکن نہ ہوتا تو صحابہ میں سے کسی کو مامور فرماتے، چنانچہ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ہم انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع فرمایااور ہمارے پاس حضرت عمرؓ کو نصیحت کے لیے روانہ فرمایا، حضرت عمرؓ تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، پھر آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں، چنانچہ حضرت عمرؓ کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم جوان اور حیض والی خواتین کو بھی عید گاہ لے جائیں اور یہ کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں ہے اور یہ کہ ہمیں جنازے کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا ہے۔

آزادیِ رائے کا حق:

اسلام میں عورتوں کو آزادی کا حق اتنا ہی ہے جتنا کہ مرد کو حاصل ہے خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی۔ اس کو پورا حق ہے کہ وہ دینی حدود میں رہ کر ایک مرد کی طرح اپنی رائے کا آزادانہ استعمال کرے۔

ایک موقع پر حضرت عمر نے فرمایا کہ:

"تم لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھو، اگر مہر زیادہ باندھنا دنیا کے اعتبار سے بڑائی ہوتی اور عند اللہ تقویٰ کی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے۔ حضرت عمر کو اس تقریر پر ایک عورت نے بھری مجلس میں ٹوکا اور کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؛

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ (1)

ترجمہ: اور دیا ہے ان میں سے کسی ایک کو ڈھیر سامان تو اس میں سے کچھ نہ لو۔

جب خدا نے جائز رکھا ہے کہ شوہر مہر میں ایک قنطار بھی دے سکتا ہے تو تم اس کو منع کرنے والے کون ہوتے ہو۔ حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا كُلُّكُمْ أَعْلَمُ مِنْ عُمَرَ تم سب عمر سے زیادہ علم والے ہو۔ اس عورت کی آزادیِ رائے کو مجروح قرار نہیں دیا کہ حضرت عمر کو کیوں ٹوکا گیا اوران پر کیوں اعتراض کیا گیا؛ کیوں کہ حضرت عمر کی گفتگو اولیت اورافضلیت میں تھی۔ نفس جواز میں نہ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنی آزادیِ رائے کا پورا حق ہے؛ حتی کہ اسلام نے لونڈیوں کو بھی اپنی آزادانہ رائے رکھنے کا حق دیا۔ اور یہ اتنی عام ہو چکی تھی کہ

1۔ النساء:20

عرب کی لونڈی اس پر بے جھجک بناتر دد کے عمل کرتی تھیں حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے سے جو بحیثیت نبوت ورسالت کے نہیں ہوتی تھی، اس پر بھی بے خوف وخطر اپنی رائے پیش کرتی تھیں اور انھیں کسی چیز کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی نافرمانی کا۔(1)

اس آزادیِ رائے کا سرچشمہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے ازواجِ مطہرات میں آزادیِ ضمیر کی روح پھونک دی تھی، جس کا اثر تمام عورتوں پر پڑتا تھا۔

اسلامی حدود میں مرد اور عورت میں برابری:

اسلام نے مرد اور عورت میں اسلامی حدود یعنی حد السرقۃ وغیرہ میں برابری ہی کی۔ چوری کی سزا میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقۡطَعُوٓاْ أَيۡدِيَهُمَا جَزَآءَۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلٗا مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٞ ﴾(2)

ترجمہ: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

ان حدود کا قیام امیر وغریب دونوں پر برابر کیا جائے گا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جب اشراف قریش میں سے ایک عورت نے چوری کی اور اس پر اس حد کو نافذ کیا گیا تھا۔

زنا کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِي فَٱجۡلِدُواْ كُلَّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا مِاْئَةَ جَلۡدَةٖۖ وَلَا تَأۡخُذۡكُم بِهِمَا رَأۡفَةٞ فِي دِينِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۖ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٞ مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴾(3)

ترجمہ: جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمھیں ان کے متعلق اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور لازم ہے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔

1۔ رحمانی، عبد الصمد، اسلام میں عورت کا مقام، (دینی بک ڈپو، اردو بازار دہلی)، ص:22۔23

2۔ المائدۃ:38

3۔ النور:2

مگر شادی شدہ پر زنا کی حد یہاں تک کہ مر جائے اور غیر شادی شدہ پر اس کی حد سو کوڑے ہیں چاہے مرد ہو یا عورت اور قذف کی سزا بغیر گواہوں کے اسی کوڑے ہیں اور اس کی کوئی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور وہ دنیا و آخرت میں لعنتی ٹھہرے گا جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَرۡمُونَ ٱلۡمُحۡصَنَٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَأۡتُواْ بِأَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ فَٱجۡلِدُوهُمۡ ثَمَٰنِينَ جَلۡدَةً وَلَا تَقۡبَلُواْ لَهُمۡ شَهَٰدَةً أَبَدًا وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴾ [1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان لوگ ہیں۔

اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی محتاج وضاحت نہیں۔ اس بات کو اسلام دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے اسے ذلت سے نکالا اور عزت واحترام کے مقام پر فائز کیا۔ وہ وراثت سے محروم تھی اسے وراثت میں حصہ دار بنایا۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات قائم کی۔ اس نے بارگاہ الہی میں عمل صالح کے اجر وانعام کے معاملے میں دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی۔ اس نے عورتوں کو مردوں کی طرح سماج میں عزت واحترام کا مقام دیا، بلکہ بعض حیثیتوں سے ان کا درجہ مردوں سے بڑھ کر قرار دیا۔ اس نے انہیں تمام انسانی، سماجی اور تمدنی حقوق دیئے۔ اس نے زندہ رہنے، پرورش پانے اور تعلیم حاصل کرنے کے حقوق دیے، نکاح، مہر اور نفقہ کے حقوق دیئے، ناپسندیدہ شوہر سے نجات پانے کا دیا۔ معاشی میدان میں جدوجہد، مال وجائیداد کی ملکیت اور وراثت کے حقوق دیے، عزت وآبرو کی حفاظت کا حق دیا۔ غرض اس نے عورتوں کو جتنے حقوق دیے اتنے کسی مذہب اور کسی تہذیب میں اسے حاصل نہیں ہوئے۔ لیکن اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کا دائرہ کار بھی ایک ہے۔

اسلام اور قوامیت مرد:

تحریک حقوق نسواں کی بنیاد نفرت اور انتقام پر اٹھتی ہے، تحریک اسلامی نظام معاشرت سے خار کھاتی ہے۔ یہ مردوں سے خار کھاتی ہے اور علماء سے حد درجہ متنفر ہے، عورت کو ہر صورت انہوں نے معصوم ثابت کرنا ہے، زنا کو لازما زنا بالجبر بتانا ہے عشق وبے راہ روی کو معصومانہ کھیل بتانا ہے، ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں عار نہیں کہ ہمارے معاشروں میں عورت ظلم وستم کا شکار ہے لیکن آج کے مسلمان معاشرے جس بد نظمی، بد انتشاری اور لاقانونیت کے

1۔ النور:4

دور سے گزر رہے ہیں وہاں مرد بھی محفوظ نہیں تو عورت کیا محفوظ ہو گی۔ مفلوک الحالی ہر مسلم معاشرے کی نمایاں صفت بنتی جارہی ہے۔ جہالت اور قوانین سے ناواقفیت عام ہوتی جارہی ہے۔ ایسے میں اسلام مخالف ذہن نے اپنا کاری وار کیا ہے اور مسلمان عورت کو اسلام سے باغی کیا ہے اور علماء کو معاشرے کے اس انجام تک پہنچانے کا سزاوار ٹھہرایا ہے اور ایسا کر کے جدید عورت کو اسلامی تعلیمات سے بیزار کیا ہے۔ اسلام نے مسلمان مردوں کو کہیں بھی عورتوں کے خلاف راہ نہیں دکھائی۔ بلکہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور پیار کی وصیت کی ہے۔ اور اس پر بہت سی قرآنی آیات اور ارشادات نبوی شاہد ہیں۔ مرد گھر کی چھت ہے، عورت کی پناہ گاہ ہے۔[1]

مرد مضبوط ہو تو چھت مضبوط ہوتی ہے، مرد کمزور ہو تو عورت غیر محفوظ ہوتی ہے، اور مرد کی کمزوری زیادہ بڑھ جائے تو چھت مکینوں پر گر جاتی ہے مکینوں کو چھت کے خلاف اپنا تحفظ کرنا پڑتا ہے، چھت کی مضبوطی کے لیے جہاں مردوں کی اصلاح ضروری ہے وہاں عورتوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ اس نے چھت کو مضبوط کرنے میں حصہ لینا ہے نہ کہ صرف چھت سے فائدے لینے میں اور چھت کو کمزوری کا الزام دینے میں تنقید کرنا اور برا بھلا کہنا آسان ہوتا ہے اور اصلاح کرنا حقیقت میں تعمیری کام ہوتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کی تعلیم، معاشرت کے لیے انتہائی ضروری ہے اور دونوں ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے کو کمزور کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٖ ﴾[2]

ترجمہ: اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

جب اعتماد کا رشتہ قائم رہتا ہے تو کوئی بھی خاندان کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ جب اعتماد کا رشتہ ٹوٹتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کے خلاف مددگار ڈھونڈتے ہیں اور تعمیر کی بجائے تخریب شروع ہوتی ہے۔

مولانا مودودی تحریک آزادی نسواں کی تعبیر نو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس روش پر یورپ کی عورت چل رہی ہے اور نظام معاشرت میں ان طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اس وقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں"۔[3]

1۔ مودودی، سید ابوالاعلی، پردہ، ص:41

2۔ التوبہ:71

3۔ مودودی، سید ابوالاعلی، پردہ، ص:44

فصل سوم

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے معاشرتی کردار کا دائرہ کار

فصل سوم:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے معاشرتی کردار کا دائرہ کار

اسلام میں معاشرتی حیثیت سے عورتوں کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معاشرت کے باب میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر مرد کو مخاطب کر کے یہ حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت کے باب میں "معروف" کا خیال کیا جائے؛ تاکہ وہ معاشرت کے ہر پہلو اور ہر چیز میں حسن معاشرت برتیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ (1)

ترجمہ: اوران عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر رکھ دے۔

معاشرت کے معنی ہیں، مل جل کر زندگی گزارنا، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک تو مردوں کو عورتوں سے مل جل کر زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ "معروف" کے ساتھ اسے مقید کر دیا ہے، لہٰذا امام ابو بکر جصاص رازی (المتوفی ۷۰ھ) معروف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں عورتوں کا نفقہ، مہر، عدل کا شمار کر سکتے ہیں۔ اور معروف زندگی گزارنے سے مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں نہایت شائستگی اور شیفتگی سے کام لیا جائے باتوں میں حلاوت و محبت ہو حاکمانہ انداز نہ ہو اور ایک بات کو توجہ کے ساتھ سنیں اور بے رخی بے اعتنائی نہ برتیں اور نہ ہی کوئی بد مزاجی کی جھلک ظاہر ہو۔(2)

قرآن میں صرف معاشرت کے لیے ہی نہیں کہا گیا کہ عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آنا مردوں پر خدا نے فرض کیا ہے؛ بلکہ اسی کے ساتھ ہر طرح کے مسائل کے بارے میں کہا گیا ہے۔ جیسے مطلقہ عورت کے باری میں صاف طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ﴾ (3)

ترجمہ: ایذادِہی کے خیال سے ان کو نہ روک رکھو تاکہ تم زیادتی کرو۔

1۔ النساء:19

2۔ رحمانی، عبد الصمد، اسلام میں عورت کا مقام، ص:۱۷

3۔ البقرہ:231

ملازمت آج کی عورت کا عملی مسئلہ ہے ،پوری دنیامیں آج عورت کی ملازمت کارواج ہوچکاہے مغربی دنیامیں توعورت کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے معاش کاانتظام خود کرے ،کیونکہ مرد پراس کے معاش کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ حقوق نسواں کے خوشنمانام پر عورت کامعاشی بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پرڈال دیاگیاہے۔ مغربی عورت چونکہ ماضی قریب تک بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم رہی ہے اس لیے دیگر بنیادی حقوق کی طرح ملازمت کے حق کے لیے بھی اسے ایک طویل جدوجہد کرنی پڑی، جس کے نتیجے میں وہ اپنے موجودہ مقام تک پہنچی۔

اسلام نے عورت کوفکر معاش سے آزاد کرکے اس کامعاشی بوجھ شادی سے پہلے اس کے والد، بھائی یاپھر چچاپر اور شادی کے بعد اس کے شوہر یاپھر بیٹے پرڈالاہے ، اگر اولادنہ ہوتوپوتوں اورنواسوں پر اگروہ بھی نہ ہوتوہر محرم پر، ان کے میراث کے بقدر اخراجات کی ذمہ داری ہے۔اس کے باوجود اسلام عورت کوبوقت ضرورت اپنے معاش کے لیے دوڑدھوپ کرنے سے نہیں روکتا، کیونکہ مجبوری کے وقت کسب معاش بہر حال کسی کے آگے سوال کرنے سے بہتر ہے ، اس کے علاوہ البعض خدمات ایسی ہیں جن کوبجالانالازمی طور پر عورت کے ذمے ہیں۔اسلامی تعلیمات کی روسے آداب اور شرائط کے ساتھ حصول معاش کے لیے عورت جائزقسم کی تجارت یاملازمت ، دونوں اختیار کرسکتی ہے ، ان آداب اور شرائط کے جائزے سے بیشتر دوتمہیدی باتوں کاذکر ضروری ہے۔[1]

عورت کافطری دائرہ کاراس کاگھر ہے:

اسلام عام حالات میں عورت کوگھر میں رہنے کی تاکید کرتاہے کیونکہ قدرت نے عورت کے ذمے جوفرائض عائد کیے ہیں ،ان کافطری دائرہ کاراس کاگھر اور خاندان ہے ۔ بچوں کی پرورش تربیت اورگھر کاانتظام سنبھالنااس کی بنیادی ذمہ داری ہے ،گھر سے بلاضرورت باہر نکلنانہ اس کے لیے مفید ہے اورنہ معاشرے کے لیے سودمند ہے، اللہ تعالیٰ کاارشادہے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ ﴾[2]

ترجمہ:اوراپنے گھروں میں ٹھہری رہواور سابق دورجاہلیت کی سی زینت نہ دکھاتی پھرو۔

نماز جیسی اہم ترین عبادت کے بارے میں بھی فرمایاکہ عورتوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ یہ فریضہ گھروں میں ہی اداکریں، رسول ان صلی اللہ علیہ سلم کافرمان ہے:

1۔ الفتاوی الھندیہ، (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)، 1/560

2۔ الاحزاب:33

((صلاة المراة في بيتهاافضل من صلاتهافي حجرتهاوصلاتهافي مخدعهاافضل من صلاتهافي بيتها))[1]

ترجمہ: عورت کی نمازاس کے کمرے میں اس کے گھر کی نسبت افضل ہے اوراس کی نمازاس کے گھر کے چور خانے (کمرے کے اندر کمرہ) میں اس کے کمرے سے بہتر ہے۔

اسی لیے نمازجمعہ جیسی اہم عبادت کے وجوب سے عورت کومستثنی کیاگیاہے ،جوذمہ داریاں صرف چندمردوں کی شرکت سے اداہوجاتی ہیں، عورت کے لیے ان میں شریک ہونے کی حوصلہ شکنی گئی ہے۔ اسی لیے نمازجنازہ میں شرکت سے عورتوں کوروکا گیاہے۔[2] اسی طرح عام حالات میں جہاد میں شرکت اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے، جب ہم اس سلسلے میں دوراول کے پاک نفوس خواتین کی سرگرمیوں کاجائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کادائرہ کارعمومی طورپر ان کے گھروں تک محدود تھا، گھر کاانتظام اور کام کاج شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش اور تربیت وغیرہ ایسے امورہیں جن کووہ اپنے بنیادی فرائض سمجھ کراداکرتی تھیں۔

بوقت ضرورت گھر سے باہر جاناجائز ہے:

لیکن عام حالات سے ہٹ کر بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آسکتی ہیں جن میں عورت کوکسی حقیقی ضرورت کے لیے گھرسے باہر جاناپڑتاہے۔اسلام ضرورت کے وقت عورت کوگھرسے باہر جانے کی اجازت دیتاہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد گرامی ہے:

((إنه أذن لكن أن تخرجن لحاجتكن))[3]

ترجمہ: بے شک تمھیں اپنی ضروریات کے لیے گھرسے باہر جانے کی اجازت ہے۔

شیخ القرآن مولاناگوہر رحمان سورہ احزاب کی گزشتہ آیت ہی سے بوقت ضرورت گھروں سے نکلنے پر استدلال کرتے ہیں۔ وقرن في بيوتكن گھروں میں ٹھہری رہوسے بظاہر معلوم ہوتاہے کہ گھروں سے باہر نہ نکلو لیکن اسی آیت میں ولاتبرجن کے لفظ سے معلوم ہوتاہے کہ اس حکم کااصل منشازیب وزینت کی نمائش کے لیے گھروں سے نکلنے کی ممانعت کرناہے۔

1۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، (مکتبہ دارالسلام، 1999)، کتاب الصلاۃ، حدیث: 570

2۔ایضا

3۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب لاتدخل بیوت النبی، حدیث: 4790

دینی، معاشرتی اور دوسری ضروریات کے لیے نکلنے کی ممانعت کرنا مقصد نہیں ہے۔[1]

یہی بات مفتی شفیع نے معارف القرآن میں لکھی ہے:

مفتی محمد شفیع عبادات، خاندانی اور معاشرتی ضروریات کے علاوہ معاشی ضروریات کے لیے بھی عورتوں کے گھروں سے نکلنے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آیت وقرن في بيوتكن کے مفہوم سے باشارات قرآن اور عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ مواقع ضرورت ہیں۔ جن میں عبادات، حج و عمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریات طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عبادت وغیرہ بھی۔ اگر کسی کے نفقہ اور ضروریات زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردے کے ساتھ محنت مزدوری کے لیے نکلنا بھی، البتہ مواقع ضرورت میں خروج کے لیے شرط یہ ہے کہ اظہار زینت کے ساتھ نہ نکلیں، بلکہ برقعہ یا جلباب (بڑی چادر) کے ساتھ نکلیں۔[2]

گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ عورت کے لیے فکر معاش کی جدوجہد کرنا اور ان دونوں میں توازن برقرار رکھنا انتہائی مشکل کام ہے عموی مشاہدہ یہ ہے کہ ملازم پیشہ خواتین کو عائلی زندگی میں بے شمار پریشانیوں اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے باوجود بعض اوقات ایک عورت پر ایسی حالت آسکتی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے روزی کمانے کا راستہ منتخب کرتی ہے، یا ملک وملت کی بعض خدمات ایسی ہوتی ہیں، جن کو پورا کرنے کے لیے ایک عورت ہی موزوں ہوتی ہے، اس لیے بوقت ضرورت اسلام کچھ حدود و قیود کے ساتھ عورت کو معاشی دوڑ دھوپ کی اجازت دیتا ہے، بشرط یہ کہ وہ کاروبار اور ملازمت خود جائز قسم کی ہو۔ جب ہم اس سلسلے میں تاریخ و سیر کی کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں متعدد صحابیات کا تذکرہ ملتا ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ سے کمایا اور گھر والوں پر خرچ کیا اور راہ خدا میں انفاق بھی کیا، حضرت جابر کی خالہ کو طلاق ہوئی تو وہ کھجور کے باغ میں کام کرنے لگی کسی نے دیکھا تو منع کیا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور واقعہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا:

((أخرجي فحدى نخلك لعلك أن تصدقي منه أوتفعلى خيرا))[3]

ترجمہ: نکلو اور اپنے کھجور کے پھل کاٹو شاید تم اس میں سے صدقہ کرو یا کسی نیک کام میں خرچ کرو۔

1۔ گوہر الرحمان، تفہیم المسائل، (مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، 2002ء)، 4/276

2۔ عثمانی، مفتی شفیع، معارف القرآن، (ادارہ المعارف کراچی، 1993)، 7/134

3۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی المبتوتہ تخرج بالنھار، حدیث: 2297

خواتین خود بعض ازواج مطہرات اپنے ہاتھ سے کماتی تھیں، حضرت خدیجہ مضاربت پر مال دے کر تجارت کرتی تھیں، حضرت سودہ کھالوں کی دباغت کا کام کرتی تھیں[1] حضرت زینب بھی یہ خدمت انجام دیتی تھیں۔[2] حضرت اسماء بنت ابی بکر اپنے شوہر کے گھوڑے کے لیے کئی میل دور سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاو کر گھر لاتی تھیں اور پیس کر گھوڑے کو ڈالتی تھیں[3]

ملازمت کے آداب و شرائط:

اگر ایک عورت سمجھتی ہے کہ وہ خانگی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ گھر میں رہ کر یا گھر سے باہر نکل کر کوئی کام یا ملازمت بھی کر سکتی ہے تو اسے چند حدود و شرائط اور آداب کے ساتھ ایسا کرنے کا یقیناً حق حاصل ہے۔ ذیل میں انہی آداب اور شرائط کی کسی قد تفصیل درج کی جاتی ہے۔

شوہر کی اجازت کا ہونا ضروری ہے۔

عورت کی ملازمت سے شوہر کے حقوق متاثر ہوتے ہیں اس لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ملازمت شوہر کی اجازت سے ہی ہو کیونکہ ایک مسلمان عورت پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے شوہر کی اطاعت اور اس کے ساتھ وفاداری اور موافقت لازم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَٱلصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾[4]

ترجمہ: پس جو صالح عورتیں ہیں واطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت نگرانی میں ان کے حقوق کی نگرانی کرتی ہیں۔

رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((ألا أخبرك بخير ما يكنز المرء المرأة الصالحة إذا نظر إليها سرته وإذا أمرها أطاعته وإذا غاب عنها حفظته مه)) [5]

ترجمہ: کیا میں تمہیں اس بہتر چیز کی خبر نہ دوں ؟ جس کو آدمی ذخیرہ کرتا ہے وہ نیکوکار عورت ہے۔ جب وہ اس کو دیکھے تو خوش کر دے اور جب حکم دے تو اطاعت

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان والنذور، باب ان خلف ان لا یشرب نبیذا، حدیث:6686

2۔ ابن سعد، الطبقات الکبری،، (دار الاحیاء التراث، بیروت، 1996)، 299/8

3۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، حدیث:5224

4۔ النساء:34

5۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد،، کتاب الزکوۃ، باب فی حقوق المال، حدیث:1664

کرے اور جب اس سے غائب ہو کر چلا جائے تو اس کے حقوق کی حفاظت کرے۔

ایک اور حدیث میں نیک عورت کی صفات کے ساتھ اس کا یہ اجر بھی بیان کیا گیا ہے۔

((إذاصلت المرأة خمسهاوصامت شهرهاوحفظت فرجهاوأطاعت بعلهاقيل لهاأدخلي من أى أبواب الجنة شئت))[1]

ترجمہ: جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور مہینہ بھر روزے رکھے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا کہ جس دروازے سے تم چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ان آیات اور احادیث سے فقہائے کرام نے یہ اصول مستند کیا ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر کسب معاش کے لیے نہیں جا سکتی۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور کتاب البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

(وقيدخروج القابلة والغاسلة باذن الزوج وفسرالغاسلة بمن تغسل الموتى وينبغي أن للزوج أن يمنع القابلة والغاسلة من الخروج لان في الخروج اضراربه وهى محبوسة لحقه وحقه مقدم على فرض الكفاية بخلاف الحج الفرض لان حقه لايقدم على فرض العين)[2]

ترجمہ: دایہ اور غاسلہ عورت کا کھانا شوہر کی اجازت کے ساتھ مقید ہے، اور غاسلہ کی تفسیر اس عورت کے ساتھ کی گئی ہے جو میت کو غسل دیتی ہو، شوہر کے لیے جائز ہے کہ اگر اس کی بیوی دایہ یا غاسلہ ہے تو ان کاموں کے لیے باہر جانے سے روکے، کیونکہ بیوی کے گھر سے جانے میں اس کا نقصان ہے اور وہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی کی پابند ہے، اس لیے شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے۔ بخلاف فرض حج کی ادائیگی کے، کیونکہ اس کا حق فرض عین پر مقدم نہیں ہے۔

فتاوی قاضی خان میں یہاں تک لکھا ہے کہ بیوی بغیر اجازت کے گھر سے نکلے تو شوہر کو تعذیر کا حق حاصل ہے۔ فقہائے کرام نے جس استثنائی حالات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے مجبور ہو کر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی گھر سے نکل سکتی ہے، فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے۔

1۔ امام احمد، مسند امام احمد،، حدیث:1664

2۔ ابن نجیم، البحر الرائق علی کنز الدقائق، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 4/195

(ليس للمراة أن تخرج بغيراذن الزوج الاباسباب معدودة منهااذاكانت في منزل يخاف السقوط عليهاومنهاالخروج الى مجلس العلم اذاوقعت لهانازلة ولم يكن الزوج فقيهاومنهاالخروج الى حج الفرض اذاوجدت محرماويجوزللزوج أن يأذن لهاولايصيرعاصيابالاذن ومنها)[1]

ترجمہ: چند اسباب کے سوا کسی عورت کو اپنے خاوند کے گھر سے نکلنے کا حق نہیں ہے، ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایسے مکان میں ہو جس کے گر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح اگر اسے کوئی مسئلہ پیش آجائے اور وہ فقیہ نہ ہو تو وہ بلا اجازت علمی مجلس کی طرف نکل سکتی ہے۔ اسی طرح وہ فرض حج کے لیے بھی جا سکتی ہے اگر اس کو محرم کی رفاقت حاصل ہو۔ ایسی صورت میں شوہر کے لیے مناسب ہے کہ اسے اجازت دے، اس سے وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

گھر اور بچوں کی دیکھ بھال متاثر نہ ہو:

ملازمت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے شوہر کا گھر اور بال بچوں کی دیکھ بھال متاثر نہ ہو کیونکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر اور بال بچوں کی دیکھ بھال دیانت داری اور لگن سے کرے، حدیث میں آتا ہے:

((المرأة راعية على بيت زوجهاوولده وهي مسؤلة عنهم))[2]

ترجمہ: عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگران اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی عورتوں کی ذمہ داری میں گھر کی معیشت کا اچھا انتظام، شوہر کے مال میں امانت داری، شوہر اور اس کے بچوں کے حقوق و پرورش اور تعلیم و تربیت وغیرہ کی ادائیگی شمار کرتے ہیں۔[3]

صحابیات کے سوانح کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر وہ بچوں کی دیکھ بال اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو حسن وخوبی سے انجام دیا کرتی تھیں۔ خود ازواج مطہرات گھر کا کام کاج خود کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ کا تو چکی پیستے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے اور سینے میں درد ہونے لگا تھا۔

1۔ ابن نجیم، البحر الرائق علی کنز الدقائق، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 4/195

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العتق، باب التطاول علی الرقیق، حدیث: 2554

3۔ عظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود، دار الفکر، بیروت، 8/116

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد سے کام کی اس فطری تقسیم کے بارے میں فرمایا

((أكفي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم سقاية الماء والذهاب في الحاجة ، وتكفيك خدمة الداخل الطحن والعجنه)) [1]

ترجمہ: میں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی بھر کے دیا کروں گا اور اس کی باہر کی ضروریات پوری کروں گا۔ اور وہ آپ کے لیے گھر کے اندر کے کام کاج روٹی پکانا اور آٹا گوندھنا وغیرہ کیا کرے گی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے درمیان کام کے سلسلے میں یہی فیصلہ کیا تھا۔ [2]

حجاب کا التزام ہو:

حجاب عورت کی عزت وناموس کی حفاظت اور معاشرے کو برائیوں سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لیے مسلمان عورت کے لیے لازم ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو باپردہ ہو کر نکلے اور اظہار زینت سے گریز کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمٗا ﴾ [3]

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔

عربی میں جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سر سے پاؤں تک پورے جسم کو چھپا لیتی ہے [4]۔ اس آیت سے صاف طور پر اللہ تعالی کا یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے باہر عورتیں کسی بڑی چادر یا برقع میں اپنے جسم کو پوری طرح چھپائیں۔

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النفقات، باب عمل المراۃ فی بیت زوجھا، حدیث: 5361

2۔ الاصابۃ، 5/285

3۔ الاحزاب: 59

1۔ الجوزیہ، ابن قیم، زاد المعاد، وحیدی کتب خانہ، پشاور، 4/988

عورت کے لیے اسلام کی صنفی رعایات:

تخلیقی اور پیدائش اعتبار سے مرد وزن میں کوئی فرق امتیاز نہیں ہے۔ ان کی اصل ایک ہے اسی وجہ سے ان کے بنیادی حقوق و فرائض ایک ہی ہیں جبکہ زندگی کے دوار مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق و معاملات و فرائض میں کچھ فرق بھی ہے مگر اس کے باوجود اسلام نے عورت کو کئی معاملات میں صنفی رعایات دی ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

عبادات میں رعایات:

اسلام میں عبادات کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے حقیقت میں یہ روح دین اور جان شریعت ہیں ان عبادات کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ان کو اجتماعی صورت میں ادا کیا جاتا ہے اور تمام مسلمانوں پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ان کو اجتماعی صورت میں ہی ادا کیا جائے لیکن صنف نازک کو اس معاملہ میں رعایت دی گئی ہے، اس کے لیے یہ لازمی نہیں کہ وہ عبادات کو اجتماعی صورت میں ادا کرے، عبادات میں نماز جیسی اہم عبادت کو لے لیں مرد پر نماز جماعت کیساتھ فرض ہے مرد اگر بلاوجہ جماعت سے پیچھے رہتا ہے تو اس کو انتہائی زجر و توبیخ کا مستحق سمجھا جاتا ہے جبکہ عورت پر نماز تو فرض کی گئی ہے لیکن جماعت ضروری نہیں قرار دی گئی اس کے برعکس عورت کو مختلف طریقوں سے اس بات کی ترغیب دی کہ وہ نماز اپنے مکان کے کسی گوشہ میں ہی ادا کرے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((خیرمساجدالنساء قعربیوتھن))[1]

ترجمہ: عورتوں کے لیے بہترین مسجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی مکان ہے۔

مشہور صحابی ابو حمید ساعدی کی بیوی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھا کروں آپ کی کیا رائے ہے۔ حضور اکرم نے جواب دیا مجھے یقین ہے کہ واقعتاً تمہاری یہی خواہش ہے لیکن یہ جان لو اپنے مکان کی کسی تنگ کوٹھری میں نماز پڑھنا تمہارے لیے کشادہ کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ تمہاری جو نماز کمرے میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اولی ہے اس نماز سے جو اپنے محلہ کی کسی مسجد میں ادا کرو۔ اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلے کی مسجد میں ادا ہوئی ہے وہ تمہارے حق میں میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے[2] اس طرح جمعہ کی نماز کو لیں، شریعت نے عورت کو اس اجتماعی طریق عبادت سے مستثنیٰ کر دیا ہے، حدیث نبوی میں فرمان رسول ﷺ ہے:

1۔ احمد بن حنبل، المستدرک الحاکم، مکتبہ مطبوعات اسلامیہ، بیروت، 1/209

2۔ ایضا

((قال النبي ﷺالجمعة وسلم الجمعة حق واجب علی کل مسلم الاربعة عبدمملوك اوامراة اوصبی اومریض))[1]

ترجمہ: نبی ﷺ سے فرماتے ہیں کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے، غلام عورت، بچے اور مریض"۔

اسی طرح عورتوں پر یہ لازم بھی نہیں ہے کہ جنازوں کے ساتھ چلیں، نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ:

((نهیناعن اتباع الجنائز))[2]

ترجمہ: ہمیں جنازوں کی مشعیت سے منع کیا گیا۔

گذشتہ تمام احادیث سے یہ بات واضح طور پر کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نمازاوراس جیسی عبادات میں عورتوں کو خاص صنفی رعایت حاصل ہے جو کہ مرد کو حاصل نہیں ہے۔

جہاد میں شرکت سے رعایت:

اسلام میں عورتوں کو یہ رعایت بھی حاصل ہے کہ وہ جہاد میں نہ شرکت کریں اوراس میدان کو صرف اور صرف مرد کے لیے رہنے دیں۔ اسلام کی جنگوں میں عورتوں نے شرکت تو کی لیکن صرف اس لیے تاکہ وہ زخمیوں کو پانی پلائیں، نبی کریم ﷺ سے جب کبھی عورتوں کے جہاد کے بارے میں عرض کیا گیاتو نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے لیے حج اور عمرہ کو جہاد کے برابر قرار دیا۔

((عن عائشه عن النبي قال علیکن بالبیت فانه جهادکن))[3]

ترجمہ: حضرت عائشہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایاتم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیاعورتوں پر جہاد فرض ہے ؟ آپ ﷺ نے بڑے ہی اچھے انداز میں جواب دیا:

((نعم علیهن جهادالاقتال فیه الحج العمرة))[4]

ترجمہ: ہاں ان پر جہاد ہے لیکن ایساجہاد جس میں جنگ نہیں ہوتی اور وہ ہے حج اور عمرہ۔

1۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد،، باب الجمعۃ للملوک والمرۃ،1/ 53

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنازۃ،1/ 120

3۔ احمد بن حنبل، المسند،3/ 68

4۔ القزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک، باب الجہاد النساء، مکتبہ نور محمد کراچی،1/ 214

ایک اور جگہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

((نعم الجهاد الحج))[1]

ترجمہ: تمہارے حق میں حج بہترین جہاد ہے۔

ان تمام احادیث سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے جبکہ مردوں پر ہے اور عورتوں کو اس معاملے میں بھی صنفی رعایت دی گئی ہے۔

معاشی جدوجہد سے رعایت:

اسلام کی ایک صنفی رعایات سے ایک یہ بھی ہے کہ اسے معاشی جدوجہد سے نجات دی گئی ہے اس پر کسی اور کا کیا خود اس کا اپنا معاشی بوجھ بھی نہیں ڈالا گیا کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ عورت یکسوئی کے ساتھ خاندانی فرائض انجام دیتی رہے اور گھر کا انتظام سنبھالے جبکہ معاشی مصروفیت اور ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے اور سب گھر والوں کا نان ونفقہ اور ان کی معاشی ضرورت کو پورا کرنا صرف اور صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔ گھر کے اندر مصروف ہونے کی وجہ سے اسلام نے اس کی معاشی حالت کو کمزور نہیں ہونے دیا ہے بلکہ اسے مرد سے زیادہ مستحکم رکھا ہے، اسے وراثت میں حصہ ملتا ہے اسی طرح اسے شوہر کر طرف سے مہر ملتا ہے اس کے علاوہ اسے مختلف اوقات میں زیورات اور تحفہ تحائف بھی ملتے ہیں جو اس کی ذاتی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ اس طرح عورت اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی معاش کے لیے گھر چھوڑنے اور اس کی ذمہ داریوں پر مجبور نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ سماجی، معاشرتی اخلاقی برائیاں بھی نہیں پیدا ہوتیں جو عورت اور مرد کے ایک ساتھ مل کر معاشی دوڑ دھوپ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

خلع کی رعایت:

اسلام نے جس طرح مرد کو یہ اختیار دیا کہ اگر کسی عورت سے واقعی نباہ کا اب کوئی امکان نہ ہو تو اسے طلاق دے سکتا ہے اسی طرح اگر عورت کا مرد سے نباہ ممکن نہ ہو تو وہ کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے اور اس قسم کی طلاق کو خلع کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ﴾[2]

ترجمہ: اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھیں گے تو ان دونوں پر اس مال کے لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جسے دے کر عورت خود کو چھڑا لے۔

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب جہاد النساء، 1/402

1۔ البقرۃ:2

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (1)

ترجمہ: اگر تمھیں ان کے درمیان اختلاف کا ڈر ہو تو تم شوہر کے لوگوں میں سے ایک حکم اور عورت کے لوگوں میں سے ایک حکم بھیجو۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو خلع کا حق ہے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی اسی قسم کے فیصلہ ملتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے عورت کے خلع کے حق کو لاگو کروایا۔

1۔ النساء:4

خلاصہ باب:

ایک عورت بحیثیت مسلمان اپنے حقوق و فرائض سے واقفیت رکھتی ہے لیکن وہ خواتین جو مذہب کو اپنی کامیابی میں رکاوٹ سمجھتی ہیں وہ دراصل اپنے حقوق سے ناواقف ہیں اسلام عورت کو معاشی فکر سے نجات دیتا ہے اور مرد کو عورت کی معاشی کفالت کا ذمہ دار بناتا ہے، عورت کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے بحیثیت ماں عورت کے قدموں تلے جنت ہے جبکہ بچوں کی پہلی درسگاہ بھی ماں کو قرار دیا ہے عورت بیوی ہے تو مرد اس بات کا پابند ہے کہ وہ اسکی کفالت کرے اور اس کے حقوق کا خیال رکھے بہن ہے تو اس کو بھی وراثت میں حق دیتا ہے اسلام خواتین کو حق رائے دہی کا بھی حق دیتا ہے اسی طرح اسلام خواتین کو پسند کی شادی اور ایسے افراد جس سے عورت کا نبھاہ ممکن نہ ہو خلع کا حق بھی دیتا ہے اسی طرح اسلام نے سب سے پہلے خواتین کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا تاکہ خواتین اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ ہو کر ایک خوش گوار زندگی گزار سکیں اور سب سے ضروری اپنی اولاد کی تربیت اسلامی تعلیمات کے مطابق کر سکیں۔ اسی طرح اسلام نے مرد اور عورت کی پیدائش میں مساوات رکھی ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں دونوں آدم کی اولاد ہیں ان کی جزا اور سزا بھی ایک سی ہے لیکن اسلام نے عورت کی صنفیت کے اعتبار سے ان میں فرق ضرور رکھا ہے اور بعض معاملات میں عورت کو رعایت بھی دی ہے مثلاً عبادات وغیرہ اسی طرح بعض مقامات پر عورت کو مرد کے تابع کیا ہے مثلاً معاشی ذمہ داری وغیرہ کہ عورت کی معاشی کفالت مرد کی ذمہ داری ہے تاکہ عورت دوہرے بوجھ کی متحمل نہ ہو۔ گویا اسلام عورت کے تمام حقوق کا خیال رکھتا ہے اور عورت کو گھر کا چین و سکون قرار دیتا ہے۔ گویا اسلام میں عورت کو وہ مقام حاصل ہے جو اسلام سے قبل بھی اور دور حاضر میں بھی مغرب کی خواتین کو میسر نہیں اسی طرح اسلام عورت کو اجازت دیتا ہے کہ اگر بحالت مجبوری اسے گھر کی چار دیواری سے نکلنا بھی پڑے تو وہ چند حدود و قیود کے ساتھ نکل سکتی ہے تاکہ عورت کی عفت و عصمت کی حفاظت ہو سکے اسی لیے اسلام نے مرد و عورت کے لیے الگ الگ دائرہ کار متعین کیے ہیں تاکہ عورت کا صنفی امتیاز بھی متاثر نہ ہو اور وہ اپنی گھریلو و معاشرتی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے سکے اور معاشرے میں بوقت ضرورت اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکے۔

خلاصہ ابواب:

تحریک حقوق نسواں کا باقاعدہ آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا جہاں مرد وعورت نے بنیادی حقوق کی فراہمی کے لئے آواز بلند کی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت مرد وخواتین دونوں کو ہی بنیادی حقوق میسر نہیں تھے اس جدوجہد کے نتیجے میں انقلاب فرانس رونما ہوا اور اس جدوجہد نے ایک تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد مرد وخواتین کو بنیادی حقوق کی فراہمی تھا۔ اس مقصد کے لیے مختلف ادوار میں مختلف کانفرنسیس کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا جہاں خواتین کے حقوق کے لیے آواز بلند کی جاتی رہی ہے پھر وقت کے ساتھ اس تحریک کے مطالبات میں اضافہ ہوا اور بات مساوات مرد وزن تک پہنچ گئی اور تحریک کے مطالبات مزید بڑھ گئے اور بات مساوات مرد وزن سے آگے بڑھ گئی جس کے اثرات عورت اور اس کے خاندانی نظام پر اثرات کی صورت میں سامنے آئے۔ لیکن کسی بھی معاشرے کے قیام واستحکام میں خاندان بنیادی اکائی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت حاصل ہے جہاں خاندان ہر فرد کی خوشی وسکون کا منبع ہے پاکستان کا خاندانی نظام خواہ وہ مشترکہ ہو یا جداگانہ، مرد اور عورت ہی گھر کے اندر پختہ تعلقات کے ضامن ہیں پاکستان کا خاندانی نظام افراد کا مجموعہ ہے جو ہر خوشی و غم میں ایک دوسرے کا معاون وسہارا ثابت ہوتا ہے۔ بحیثیت اسلامی معاشرہ خاندانی نظام میں اسلامی کلچر کو بہت اہمیت دی جاتی ہے جس میں مرد گھر کا سربراہ اور معاشی ضروریات کی فراہمی کا ضامن ہوتا ہے جبکہ عورت گھر کی ملکہ اور اور خاندان کے افراد کی دیکھ بھال کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

اسلام نے مرد اور عورت کے لیے الگ الگ دائرہ کار متعین کیا ہے تاکہ مرد وعورت اپنی اپنی ذمہ داراں بخوبی انجام دیں اسی طرح گھر میں ایک خوشگوار ماحول بنتا ہے اس کے برعکس اگر مرد وعورت اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتیں تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں جس سے گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے لیکن اس تحریک کے مطالبات میں ایک مطالبہ خواتین کو ملازمت کا اختیار دینا تھا جس سے خواتین کی معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھا اور خواتین نے گھریلو ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی جس کے سنگین نتائج برآمد ہوئے خواتین کا گھر، ان کے بچوں کی تربیت متاثر ہونے لگی، گویا کہ اس تحریک کے اثرات کی لپیٹ میں نہ صرف ملازمت پیشہ بلکہ گھریلو خواتین بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں۔ گھریلو جھگڑے، طلاق کی شرح میں اضافہ، گھریلو تشدد، جنسی بے راہ روی، گھریلو ذمہ داریوں سے عدم توجہی، اور بے روزگاری جیسے مسائل میں اضافہ ہوا۔ خواتین پر اس تحریک کے اثرات سے متعلق جو سروے کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ خواتین اس تحریک کی خواہشمند تو ہیں مگر اس کے نتیجے میں دوہری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں جس سے مرد وعورت میں صنفی امتیاز بھی ختم ہو رہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ خواتین کے مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

تحریک کا مقصد آغاز خواتین کے لیے بہت فائدہ مند تھا لیکن اب خواتین کے بدلتے مطالبات کی وجہ سے خواتین کے اصل مسائل سے توجہ ہٹ رہی ہے۔ علماء کے نزدیک اس مسئلے کا واحد حل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے مزید اقدامات کرے اور پہلے سے موجود قوانین پر عمل درامد کو یقینی بنائے تاکہ خواتین اور خاندانی نظام کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔ وہ خواتین جو مذہب کو اپنی کامیابی میں رکاوٹ سمجھتی ہیں وہ دراصل اپنے حقوق سے ناواقف ہیں اسلام عورت کو معاشی فکر سے نجات دیتا ہے اور مرد کو عورت کی معاشی کفالت کا ذمہ دار بناتا ہے، عورت کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے بحیثیت ماں عورت کے قدموں تلے جنت ہے جبکہ بچوں کی پہلی درسگاہ بھی ماں کو قرار دیا ہے عورت بیوی ہے تو مرد اس بات کا پابند ہے کہ وہ اسکی کفالت کرے اسی طرح اسلام نے سب سے پہلے خواتین کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا گویا اسلام میں عورت کو وہ مقام حاصل ہے جو اسلام سے قبل بھی اور دور حاضر میں بھی مغرب کی خواتین کو میسر نہیں اسی طرح اسلام عورت کو اجازت دیتا ہے کہ اگر بحالت مجبوری اسے گھر کی چار دیواری سے نکلنا بھی پڑے تو وہ چند حدود وقیود کے ساتھ نکل سکتی ہے اور معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرسکتی ہے۔

نتائج:

مقالہ ہذا کی تحقیق سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1۔ تحریک حقوق نسواں کا آغاز بنیادی حقوق کی فراہمی کے مطالبے سے ہوا مگر عصر حاضر میں تحریک کے مقاصد کو ایک مغربی سازش قرار دیا جارہا ہے۔

2۔ تحریک حقوق نسواں کے ذریعے صنفی امتیازات کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔یعنی مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں جو کام مرد کر سکتا ہے وہ عورت بھی کر سکتی ہے بلاشبہ کر سکتی ہے لیکن اسلام نے عورت کی صنفی رعایت کا اہتمام کیا ہے جس کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

3۔ تحریک حقوق نسواں کے آغاز سے جہاں خواتین کو بہت سے مثبت فوائد حاصل ہوئے وہیں اس تحریک کے چند مطالبات کی بناء پر خواتین کو تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑرہا ہے مثلا شادی کے بندھن سے آزادی، میرا جسم میری مرضی جیسے مطالبات۔

4۔ تحریک حقوق نسواں کے بہت سے مثبت پہلو جن پر ان کا آغاز ہوا مثلا عورت کو مساوات دی جائے، عورت کو ووٹ کا حق دیا جائے، عورت کو رائے دہی کی آزادی ہو ان مطالبات سے خواتین کو بہت سے حقوق میسر آئے جو اس سے پہلے مغربی معاشرے میں خواتین کو میسر نہیں تھے۔اور پاکستان میں بھی بہت سے عملی اقدامات کیے گئے اور قانون سازی کی گئی تاکہ عورت کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔

5۔علاوہ ازیں جہاں عورت نے معاشرے میں اپنی پہچان حاصل کی وہیں اس تحریک کے بعض منفی پہلوؤں نے عورت اور اس کے گھر پر بھی منفی اثرات مرتب کئے۔ مثلا عورت اب گھر کو ایک قید سے تعبیر کرتی ہے اور اس سے نجات کو راستہ اختیار کرنا چاہتی ہے،اسی طرح دینی تعلیمات سے دوری اولاد کی تربیت پر اثرانداز ہورہی ہے۔

6۔عورت کی معاشی سرگرمیوں میں دلچسپی اور گھریلو ذمہ داریوں سے بیزاری کی وجہ سے گھر کا سکون برباد ہورہا ہے۔

7 ۔خواتین کی ملازمت کی وجہ سے وہ دوہرے بوجھ کی متحمل ہورہی ہیں عورت پر گھر کے ساتھ ساتھ معاشی ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈال دیا گیا ہے۔

8۔ مخلوط تعلیمی نظام کو نوجوان نسل کے اخلاقی زوال کی وجہ قرار دیا جارہا ہے جس میں میڈیا کا ایک بڑا کردار مانا جارہا ہے۔ مثلا دور حاضر میں اشتہارات اور ڈرامہ نگاری کے ذریعے نوجوان نسل میں اخلاقی بگاڑ پیدا کیا جارہا ہے مثلا شراب نوشی، سگریٹ پینا وغیر اسی طرح لباس کا انتخاب میں ایکٹرز کی اندھی تقلید ایک معمول بن گیا ہے۔

9۔عورت مارچ کے چند مطالبات اسلامی تعلیمات اور معاشرتی اقدار کے منافی ہیں۔

10۔ علماء دین اسلامی تعلیمات سے دوری کو خاندانی اور معاشرتی مسائل کی ایک بڑی وجہ قرار دے رہے ہیں۔

11۔ ان تمام مسائل کا حل دینی تعلیمات اور اسلامی قوانین کا نفاذ ہے۔ کیونکہ قرآن نے مرد و عورت کا دائرہ کار ان کی اہلیت کے مطابق رکھا ہے اور عورتوں کو بہت سے معاملات میں صنفی رعایت بھی دی ہے تاکہ عورت دوہرے بوجھ کی متحمل نہ بنے۔

سفارشات:

1۔ تعلیمی نصابات میں معاشرتی وخاندانی مسائل پر موضوعات ضرور شامل کیے جائیں تاکہ منفی رویوں کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔

2۔ خواتین کے لیے الگ نظام تعلیم رائج کیا جائے اور ایسے علوم سکھائے جائیں جو خواتین کے لیے ہر لحاظ سے مفید ہوں۔ جس کا مقصد ملازمت کا حصول نہیں بلکہ اخلاقی تربیت کا حصول ہو۔

3۔خواتین کو ان کے بنیادی حقوق دینے کے لیے ریاستی سطح پر اقدامات کیے جائیں تاکہ خواتین کو اپنے حقوق کے حصول میں دشواری پیش نہ آئے۔

4۔ریاست خواتین کے لیے ایسانظام تشکیل دے جس سے ایک ملازمت پیشہ خواتین کا استحصال نہ ہو اور نہ ہی اس کی گھریلو زندگی متاثر ہو۔

5۔گھریلو تشدد اور گھریلو مسائل مثلاوراثت میں حق کے لیے موجودہ قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

6۔خاندانی اقدار کے فروغ اور خاندان کے استحکام کے لیے ذرائع ابلاغ موثر کردارادا کر سکتا ہے۔لہذا ایسے پروگرام نشر کیے جائیں جو خاندانی اقدار کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوں۔

7۔ ٹی وی ٹاک شوز میں حقوق العباد،خاندان کی اہمیت واستحکام ، ازدواجی مسائل ومعاملات اور حقوق نسواں کے موضوعات پر مباحث ومذاکرات کا اہتمام کیا جائے۔

8۔مساجد ومدارس اور سکول کالجز میں سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشرے میں مرد کی قوامیت کے غلط تصور کی نفی کرتے ہوئے اس کے درست مفہوم کو اجاگر کیا جائے۔ مساجد میں خطبات کے ذریعے۔

9۔گھر کے افراد خصوصابزرگ اور زوجین خاندانی نظام کے استحکام اور ذمہ داریوں کو کر پورا کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

سوالنامہ:

سوالنامہ	ہاں	نہیں	کسی حد تک متفق
کیا حقوق نسواں اور آزادی مارچ ایک ہی تحریک کا نام ہے؟			
کیا حقوق نسواں ایک غیر واضح اور منتشر اصلاح نہیں ہے؟			
کیا تحریک نسواں ایک منفی تحریک ہے؟			
کیا حقوق نسواں کا مقصد آزادی نسواں ہے؟			
کیا خواتین تحریک کے حقیقی مقاصد سے آگاہ ہیں؟			
کیا پاکستانی مرد عورت کے حقیقی مسائل اور مشکلات سے آگاہ ہیں؟			
کیا ملک میں خواتین معاشی، سماجی، اور سیاسی طور پر بااختیار نہیں ہیں؟			
کیا عورت مارچ کے نعرے تمام عورتوں کے خیالات کی عکاسی کرتے ہیں؟			
کیا آزادی مارچ کے عجیب وغریب نعرے اصل مسائل الجھانے کا باعث بنتے ہیں؟			
کیا عورت مارچ کے مطالبات جائز ہیں؟			
کیا عورت مارچ محض صنفی امتیاز کے خاتمے کا مطالبہ ہیں؟			
کیا عورت مارچ کے مطالبات اسلامی تعلیمات کے متصادم ہیں؟			
کیا عورت بحیثیت ماں، بہن، بیٹی، بیوی آزاد نہیں ہے؟			
کیا عورت اور مرد کے حقوق یکساں اور برابر ہوسکتے ہیں؟			

کیاعورت مارچ معاشرتی اقدار کو کمزور کرنے کی سازش ہے؟			
کیاتحریک حقوق نسواں کے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں؟			
کیاتحریک حقوق نسواں مسلم معاشرے کے خلاف ایک مغربی ایجنڈا ہے؟			
کیااس تحریک کا مقصد مسلم معاشرہ خصوصاپاکستان کے خاندانی نظام کوتباہ کرناہے؟			
کیاپاکستان میں خواتین کوان کے حقوق دیے جاتے ہیں؟			
کیاخواتین کوان کے لباس کے متعلق مکمل آزادی ہونی چاہیئے؟			
کیاپاکستان میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کی اہم وجہ عورتوں کاخودمختار ہوناہے؟			
کیاملکی معیشت میں خواتین کواپناکرداراداکرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیئے؟			
کیااس تحریک کے منفی پہلوؤں سے متعلق اقدامات لیناریاست کی ذمہ داری ہے؟			
کیاموجودہ معاشرتی مسائل کی بنیادی وجہ خواتین کادینی تعلیمات سے دوری ہے؟			
کیانوجوان نسل کی اس بے راہ روری میں میڈیاکااہم کردارہے؟			
کیاان مسائل کاحل قرآنی تعلیمات اوراسلامی قوانین کانفاذ؟			

فهرست آیات

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1۔	وَلاتُمْسِكُوهن ضِرَاراَلّتَعْتَدُوا------	سورۃ البقرۃ	231	43
2۔	عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُه وَعَلَى الْمُقْتِرقَدَرُه --------	سورۃ البقرۃ	236	40
3۔	خلقكم من نفسٍ واحدةٍ وخَلَقَ منهازوجها -----	سورۃ النساء	01	38
4۔	فَكُلُوه هنيئامَّرِيْئا-------	سورۃ النساء	04	40
5۔	لِلذَّكَرمِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ --------	سورۃ النساء	11	41
6۔	وَعَاشِرُوهنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهتُمُوهنَّ ------	سورۃ النساء	19	42
7۔	وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهنَّ قِنطَارافَلاتَأْخُذُوامِنْه شَيْئا-------	سورۃ النساء	20	43
8۔	فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلغيبِ بِمَاحَفِظَ اللّٰه-------	سورۃ النساء	34	110
9۔	والسَّارِقُ والسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْااَيْدِيَهُمَا------------	سورۃ المائدہ	38	44
10۔	وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ-------	سورۃ التوبہ	71	87
11۔	اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ----	سورۃ یوسف	28	27
12۔	وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّاتَعْبُدُوااِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا----	سورۃ بنی اسرائیل	23	52
13۔	وَأْمُرْاَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرعَلَيْهَا------	سورہ طہ	132	48
14۔	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُواكُلَّ وَاحِدمِّنْهُمَامِائَةَ جَلْدَةٍ-----	سورۃ النور	02	44
15۔	وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوابِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ-----	سورۃ النور	04	44
16۔	وَمِنْ اٰيٰته اَنْخَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًالِّتَسْكُنُوٓا-----	سورۃ الروم	21	49
17۔	وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الاهلية الأولى ----	سورۃ الاحزاب	33	113
18۔	ياايهاالنبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين---------	سورۃ الاحزاب	33	113
19۔	يأيهاالناس اناخلقنكم من ذكروأنثى ---------	سورۃ الحجرات	13	96
20۔	ولقدكرمنابني آدم وحملهم في البروالبحر-----------	سورۃ الزارعات	70	95
21۔	وماخلقت الجن والانس الاليعبدون -----	سورۃ حم سجدہ	56	95
22۔	انا ربكم الأعلى---------	سورۃ النازعات	24	76

37	08	سورۃالتکویر	وَاِذَاالْمَوْءُوْدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ --------	23۔

فہرست احادیث

فہرست احادیث

نمبر شمار	متن	کتب	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
.1	إذاصلت المرأة خمسهاوصامت شهرهاوحفظت فرجها-	مسند احمد	1664	111
.2	أخرجي فحدى نخلك لعلك أن تصدقي منه -----	سنن ابی داؤد	2297	109
.3	ألاأخبرك بخيرمايكنزالمرءالمرأة الصالحة إذانظرإليها--	سنن ابی داؤد	1656	110
.4	الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَافَيُحْسِنُ تَعْلِيْمَهَا-----	صحیح بخاری	1096	28
.5	إنه أذن لكن أن تخرجن لحاجتكن -----	صحیح بخاری	4790	107
.6	أَلَاإِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّاوَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا----	جامع الترمذی	1163	50
.7	حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَاالنِّسَاءُ والطِّيْبُ ------	سنن النسائی	763	39
.8	سقاية الماءوالذهاب في الحاجةوتكفيك خدمة الداخل --	صحیح بخاری	5361	113
.9	صلاة المراة في بيتهاافضل من صلاتهافي حجرتها-----	سنن ابی داؤد	570	107
.10	كلكم راع ومسئول عن رعيته والإمام راع ----	صحیح بخاری	2751	49
.11	لَايُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرُوَلاتُنْكَحُ الْبِكْرُحتى تُسْتأذن-	مشکوۃ المصابیح	270	42
.12	مَنْ عَالَ ثلاثَ بناتٍ فأدَّبَنَّ وَزَوَّجَهنَّ -----	سنن ابی داؤد	391	39
.13	مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبَرَعَلَيْهِنَّ ------	جامع الترمذی	1913	51
.14	من أحق الناس بحسن صحابتی(قال امک)------	صحیح بخاری	1378	94

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

کتبِ تفسیر:

- معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، اگست 2005ء
- تفسیر کبیر، فخر الدین رازی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1980

کتبِ احادیث:

- السنن الکبری للبیھقی، ابو بکر احمد بن الحسین، مکتبہ دار العلم البیروت، لبنان، س ن
- الصحیح البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 2009ء
- الصحیح المسلم، ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2009ء
- المبسوط، امام شمس الدین سرخسی، دار المعرفہ، لبنان، ۱۹۷۸ء
- المسند، امام احمد بن حنبل، (مترجم) مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء
- سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، دار السّلام، کراچی، 2009ء
- سنن ابی داؤد، امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2011ء
- سنن الترمذی، امام ابی عیسیٰ الترمذی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2011ء
- سنن النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، المکتبہ العلمیتہ، بیروت، س ن
- مشکوٰۃ المصابیح، شیخ عبد الحق دہلوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن

اردو و عربی کتب۔

- اسلام اور مغربی تہذیب وافکار تاریخی تناظر میں، ڈاکٹر حافظ سجاد، طبع اول، 2001
- اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زن، چوہدری محمد رفیق
- اسلام میں عورت کا مقام، مولوی عبد الصمد رحمانی، دینی بک ڈپو اردو بازار، دہلی
- البحر الرائق علی کنز الدقائق، ابن نجیم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- الفتاوی الھندیہ، مکتبہ رشیدیہ، اردو بازار. لاہور

- المزھر فی علوم اللغۃ وانواعھا، جلال الدین سیوطی، دار الکتب العلمیہ، بیروت،1418ھ
- پاکستانی عورت دوراہے پر، امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،1978
- پردہ، مولانا مودودی، اسلامی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، مال روڈ لاہور، نومبر 1999
- پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، مال روڈ لاہور، نومبر 2002
- تحریک نازن ایک ناقدانی جائزہ، محمد عطاءاللہ صدیقی، محدث، نومبر 2004
- تفہیم المسائل، مولانا گوہر الرحمان، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، 2002ء
- جدید تحریک نسواں اور اسلام، ثریا بتول، ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور
- ردالمختار علی الدر المختار، علامہ ابن عابدین شامی، عالم کتب، 2003ء
- زادالمعاد، ابن قیم الجوزیہ، وحیدی کتب خانہ، پشاور
- عورت کی معاشرتی حیثیت کا تاریخی جائزہ، ڈاکٹر خالد علوی
- عورتوں کے حقوق کے نام پر، عطاء اللہ صدیقی، جنوری 1997
- عون المعبود، شمس الحق عظیم آبادی، دار الفکر، بیروت، 1990ء
- مسلمان عورت اور کارزار حیات، مولانا ابوالکلام آزاد، نومبر 2004

آرٹیکل اور مقالہ جات:

- استحکام خاندان میں زوجین کا کردار سیرت طیبہ کی روشنی میں عملی واطلاقی مطالعہ، ڈاکٹر سیدہ سعدیہ، العلم، جولائی۔ دسمبر 2018ء
- اسلام کا خاندانی نظام اور عصری تہذیبی تحدیات، سمیعہ راحیل قاضی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 2009ء،
- اسلام کے عائلی نظام کے مقاصد، ڈاکٹر امان اللہ بھٹی، القلم، جون 2012ء
- اسلامی تعلیمات کے تناظر میں بیوی کے خانگی کردار کا تصور، کلثوم پراچہ، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، 2013ء
- بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو، حافظہ عائشہ مدنی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2004ء

- پاکستان میں عورت کی خانگی زندگی: مسائل اور امکانات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، روبینہ ترین، 2013
- پاکستانی خواتین کے گھریلو مسائل، نفسیاتی اثرات اور ان کا تدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ڈاکٹر حافظ مسعود قاسم، علمی و تحقیقی مجلہ، البصیرۃ
- تحریک حقوق نسواں،: تاریخی و اسلامی تناظر، کوثر یاسمین، ہزارہ اسلامیکس، جنوری تا جون 2015ء
- حقوق نسواں، تاریخی، تہذیبی و مذہبی تقابلی مطالعہ، ارشد منیر لغاری، الایضاح 25، دسمبر 2012ء
- عالمگیریت اور مسلم خاندانی نظام، تنقیدی مطالعہ، سیرت طیبہ کی روشنی میں، ڈاکٹر محمد فاروق حیدر، القلم، اپریل 2017ء
- عورت کا دائرہ کار۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ، غزالہ بٹ، جون 2010ء
- عورت کی سماجی حیثیت: ادیان عالم کے تناظر میں، رحمیٰ عمران، پاکستان جرنل آف اسلامک سٹڈیز، 2008
- گھریلو تشدد" ii ۔ عورت کے نام پر قتل کے خلاف، iii ۔ منصفانہ قانون عورت کی ترقی، عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد

مضامین:

- این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، ثریا بتول علوی، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
- حیدرآباد کے مضافاتی علاقوں میں صنفی تربیت، بیرونی دنیا مین کھلنے والی کھڑکیاں، ڈاکٹر عنبریں احمد، مبارزہ نیوزلیٹر
- بیجنگ میں خواتین کی عالمی کانفرنس، بیجنگ ڈرافٹ کی دفعہ۔17، شمارہ 1995ء
- اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، افضال ریحان، (انٹرویو) سید منور حسن
- تحریک آزادی نسواں پر اقبال کی تشویش، ڈاکٹر عبدالغنی، نوائے وقت، 9 نومبر 1996
- دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اور اقبال، معین الدین عقیل، المعارف ماہنامہ، جولائی-اگست، 1987
- عورت اور ترقی، عطاء اللہ صدیقی، مارچ، 2004
- عورت قرآن و سنت اور تاریخ کے آئینے میں، ڈاکٹر عابدہ علی، قرآن منزل سمن آباد، لاہور
- مسلم پرسنل لاء اور اس کے چند گوشے، مفتی ظفیر الدین، دارالعلوم دیوبند، مارچ 1986
- اسلام میں عورت کا دائرہ کار، شمس الدین امجد، آئین، ماہنامہ اگست، 2005

انگریزی کتب:

1. A lesser life "by S.A, Hewlet, William Morrow Edition, Feb 1,1986

2. Feminist theory today, an introduction to 2nd wave feminism, Judith evans, SAGE Publication,1995.

3. Man and woaman, john Nicholson, oxford uni press,1984.

4. No more sex war by neil lyndon, published by Sinclair London Uk 1993

5 Some Questions on Feminism and its Relevance in south Asia by Kamla Bashin & Nighat said Khan, oxford press, 1984.

6. The anti social family, michele barre lt, published by verso books, 1991.

7. The Cambridge history of islam, P.M Holt, Cambridge university press ,1977, Vol :2

8. The feminine mystrique, batty friedan, published by pragma ,2002

9. The Feminist challange, David boucher.

10. The lonely lady, harlod robbins, published by new English library London, 1993.

11. The new chastity and other arguments against woman liberataion, midge decter, publisher Berkley corp, 1972.

12.Universal Declaration of Human Rights Article, by Dr. Sulieman Abdul Rahman Al Hageel Professor of Education - Imam Muhammad bin Saud Islamic University (Faculty of Education) Riadh, first edition 1999

13. women of Pakistan, two step forward one step back, khawar Mumtaz, Zed books 1988.

Reports:

1. Fourth World Confrence for Women, Beijing, Sep 1995, Pakistan National Report.

2. Human Rights in Islam and Refutation of the Misconceived Allagations associated with these Rights "Suleman Abdal Rehman, Supreme council for Islamic affairs, 2001

3. The State of the world, s children,1999, UNICEF